ماہنامہ محدث بنارس

www.mohaddis.org

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی

معاون مدیر
مولانا عبدالمتین مدنی

عدد مسلسل: ۳۶۶
جلد: ۳۲ ، شمارہ: ۶

شعبان ۱۴۳۵ھ = جون ۲۰۱۴ء

بدل اشتراک
- ہندوستان: 150 روپے
- بیرون ممالک: 40 ڈالر
- فی شمارہ: 15 روپے

اشتراک کے لیے ڈرافٹ مندرجہ ذیل نام سے بنوائیں

Name: **DAR-UT-TALEEFWAT-TARJAMA**
Bank: **ALLAHABAD BANK**
KAMACHHA, VARANASI
A/cNo.2**1044906358**
IFSC Code: ALLA0210547
SWIFT Code: ALLAINBBVAR

مراسلت کا پتہ
Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالمتین مدنی	۳
۳-افتتاحیہ	مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی	۶
۴-نماز: مومن کی پہچان	ڈاکٹر عبدالرحمٰن السدیس	۱۲
۵-انسان کی کامیابی کے اسباب...	عبدالغفار سلفی	۱۷
۶-اردو زبان کا تیا پانچہ.....	سہیل انجم	۲۳
۷-ہندوستانی جمہوریت، مذہب..	سعد احمد	۲۷
۸-گود لینے سے متعلق سپریم کورٹ..	ہلال احمد ہدایت اللہ	۳۴
۹-مولانا فائق املوی.....	محمد اسلم مبارک پوری	۴۰
۱۰-عالم اسلام	ظل الرحمٰن سلفی	۴۴
۱۱-اخبار جامعہ	ادارہ	۴۵
۱۲-باب الفتاوی	مولانا نورالہدی سلفی	۴۷

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

اللہ جل شأنہ کا نسب!

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ. اللَّهُ الصَّمَدُ. لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ. وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُواً أَحَدٌ﴾. (سورہ اخلاص)

آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک (ہی) ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس سے کوئی پیدا ہوا (یعنی وہ کسی کا باپ نہیں) اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا (یعنی وہ کسی کا بیٹا نہیں)۔ اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔

مشرکین مکہ نے اللہ کے رسول محمد ﷺ سے اللہ کا نسب دریافت کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سورہ مبارکہ کو نازل فرمایا، جس میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں بیان ہے کہ اللہ بے مثال اور یکتا ہے، اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔ وہ صمد یعنی بے نیاز ہے اور اس کا کفو کوئی نہیں۔ یہود و نصاریٰ کے عقیدہ کا بھی جواب ہے جس میں وہ لوگ حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں اور ان کفار کے عقیدہ کا بھی بطلان ہے جس میں مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے ہیں۔

اس سورہ کو سورہ اخلاص کہتے ہیں، اس میں نہ کوئی امر و نہی ہے اور نہ ہی کوئی وعد و عید بلکہ صرف اللہ جل شأنہ کی شان اور صفت بیان کی گئی ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کا کوئی نسب و حسب نہیں تو اس کی ملکیت میں کسی طرح کا کوئی حصہ داری نہیں، وہ واحد و صمد ہے تو کوئی دوسرا اس کی حکومت میں شریک و سہیم نہیں۔ سورہ انبیاء:۲۲ میں فرمایا: ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾ اگر ان دونوں (یعنی آسمانوں اور زمین) میں اللہ کے علاوہ کوئی (دوسرا) معبود (بھی) ہوتا تو ان دونوں (یعنی آسمانوں اور زمین) کا نظام خراب ہو جاتا۔

ایک سچے مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ اللہ نے اپنی جو صفت اور تعریف بیان فرمائی ہے اس کو سچے دل سے قبول کرے اور اس کی ذات اقدس کے بارے میں اپنی طرف سے کچھ نہ کہے۔ یہی اخلاص کا تقاضا ہے۔

سورہ انعام کی آیت نمبر ۹۲ سے ۱۰۸ تک کا ترجمہ پڑھو۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کا ذکر کیا ہے اور ہر طرح کے شرکیہ اعمال سے منع کیا ہے اور یہ بھی بتلایا ہے کہ وہ ہر چیز کا خالق ہے اور ہر چیز پر تصرف صرف اسی کا ہے۔ اس لیے عبادت صرف اسی کی ہونی چاہیے۔ اس میں فرمایا ہے: ﴿ذلكم الله ربكم، لا إله إلا هو، خالق كل شيء فاعبدوه، وهو على كل شيء وكيل﴾ یعنی یہ ہے اللہ تمہارا رب! اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ تو تم اسی کی عبادت کرو۔ وہ ہر چیز کا کارساز ہے۔

قرآن مجید اللہ کا کلام ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں جو کچھ بتلایا ہے اس پر ایمان رکھنا اور اپنے بارے میں جن چیزوں کی نفی کی ہے اس کے بارے میں زبان درازی نہ کرنا، ایک سچے مومن کی نشانی ہے۔ اس کی ذات اقدس کی پوری تعریف کوئی بیان نہیں کر سکتا۔ اللہ کے رسول محمد ﷺ اللہ سے دعا میں کہا کرتے: "(اللهم) لا أحصي ثناء عليك أنت كما أثنيت على نفسك". (صحیح مسلم: ۱۰۲۶) اے اللہ ہم تیری مکمل تعریف بیان نہیں کر سکتے، تیری ذات ویسی ہی ہے جیسا کہ تو نے بیان کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو سچا مسلمان بنائے، غلط عقائد سے محفوظ رکھے اور اپنی رحمت و مغفرت کا مستحق بنائے، آمین۔ ☆☆

درس حدیث

جنت کی راہ

مولانا عبدالمتین مدنی

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: اَلوَالِدُ أَوْسَطُ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ، فَإِنْ شِئْتَ فَأَضِعْ ذٰلِكَ الْبَابَ أَوْ اِحْفَظْهُ. (سنن الترمذی، ح: ۱۹۰۰، ۳/۶۳، سنن ابن ماجہ، ح: ۲۰۸۹، ۱/۶۷۵، مسند احمد: ۶/۴۴۵، ۴۴۸، ۴۵۱، صحیح سنن الترمذی، ح: ۱۵۴۸، ۲/۱۷۵)

ترجمہ: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ باپ جنت کے دروازوں میں سے سب سے بہترین دروازہ ہے، پس اگر تم چاہو تو اس دروازہ کو کھودو یا اسے (اپنے لیے) باقی رکھو۔

ہر مسلمان سچے دل سے اس بات کی تمنا کرتا ہے کہ مرنے کے بعد اس کی دائمی آرام گاہ جنت ہو، اس لیے وہ اللہ کی رضا کے کاموں کو انجام دیتا ہے اور ان راستوں پر چلتا ہے جو جنت کو لے جانے والے ہیں۔ ''برالوالدین'' ماں اور باپ کے ساتھ حسن تعامل بھی جنت کے راستوں میں سے ایک اہم راستہ ہے۔ اگرچہ یہ اولاد کے فرائض اور ان پر والدین کے حقوق میں سے ہے، اس لیے کہ اس دنیا میں ہم اپنے والدین کے ذریعہ سے آئے، وہی ہمارے سب سے پہلے مربی ومعلم ہیں، ان کی ہی سرپرستی میں ہم نے شعور کی آنکھیں کھولی اور اس دنیا میں جینے کا سلیقہ سیکھا۔ تو ان کا احسان اور حق ہم پر سب سے بڑا کیوں نہ ہو۔

قرآن کریم میں اس حق کی ادائیگی کی بار بار تاکید کی گئی بلکہ بعض انبیاء کی یہ شان بتلائی گئی کہ وہ اپنے والدین کے خدمت گذار تھے۔

احادیث میں بھی بڑی وضاحت کے ساتھ والدین کے حقوق بیان کئے گئے اور دین ودنیا میں اس سے حاصل ہونے والے فائدے بھی بتلائے گئے اور ان ہی فائدوں میں سے ایک بڑا فائدہ خدمت والدین کے صلہ میں رب کی جنت کا حصول ہے، اگرچہ یہ عظیم الشان صلہ محض رب کریم کا فضل ہے، کیونکہ والدین کی خدمت کرکے ہم ان پر کوئی احسان نہیں کرتے بلکہ ان کا ہم پر جو حق ہے اور ان کے تئیں ہماری جو ذمہ داری ہے اس کو ادا کرتے ہیں، مگر یہ عمل اللہ کے نزدیک کتنا پیارا ہے کہ وہ اس کی ادائیگی پر اتنے بڑے اجر کی بشارت دیتا ہے۔ وھل جزاء الاحسان الا الاحسان۔

مذکورہ بالا حدیث میں بھی اسی بشارت کا بیان ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ یہ تنبیہ بھی کہ اگر ہم نے اس حق کی ادائیگی

میں کوتاہی برتی تو ہم اپنے لیے جنت کے دروازہ کو بند کرلیں گے۔ ماں باپ کی خدمت اوران کی ضروریات کی تکمیل کے اجروثواب کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب ایک عورت کتا جیسے جانور کو پانی پلانے کی وجہ سے جنت میں چلی گئی تو وہ ذات بلکہ وہ جورشتہ کے اعتبار سے ہمارے لیے سب سے محترم اور ہم سے سب سے قریب ہے اس کی خدمت کا صلہ کیا ہوگا اور خاص طور سے اس وقت جب وہ ہماری خدمت اور سہارے کے محتاج ہوں۔ مشاہدہ یہ بتلاتا ہے کہ جب والدین بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھتے ہیں اور جسمانی اعتبار سے کمزور ہوجاتے ہیں تو اس موقع پر اولاد کا تعاون اور سہارا ان کی جسمانی کمزوری کا بدل بن جاتا ہے، انہیں زبردست معنوی طاقت وقوت فراہم کرتا ہے اور وہ پورے حوصلہ کے ساتھ زندگی کے بقیہ ایام سے لطف اندوز ہوتے ہیں، اس کے برعکس اگر اولاد کا تعامل منفی ہو، وہ اپنے والدین کی خدمت تو کجا انہیں خاطر میں بھی نہ لائیں تو یہ رویہ انہیں معنوی اعتبار سے بالکل کھوکھلا کردیتا ہے، اور وہ اس زندگی کو اپنے لیے بوجھ سمجھتے ہیں۔ اس لیے اولاد کو چاہیے کہ وہ اپنے والدین کا سہارا اوران کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنیں اور خاص طور سے جب وہ ضعیف، بیمار یا معذور ہوں۔

ایک صحابی اللہ کے رسول کے پاس آئے اور کہا: أردت أن أغزو وقد جئت أستشيرك فقال رسول الله ﷺ هل لك من أم قال نعم قال فالزمها فان الجنة عند رجلها وفي رواية فإن الجنة تحت أقدامها۔ (سنن نسائی، ح:۳۱۰۴، ۳۱۸/۵، مسند احمد:۴۲۹/۳)

اے اللہ کے رسول میں غزوہ میں شرکت کرنا چاہتا ہوں اور آپ کے پاس مشورہ کے لیے آیا ہوں، آپ نے دریافت کیا کیا تمہاری کوئی ماں موجود ہے، جواب دیا کہ ہاں، آپ نے فرمایا اسی کی خدمت میں لگے رہو، اس لیے کہ جنت اس کے قدموں کے پاس ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ جنت اس کے قدموں کے نیچے ہے۔

اس حدیث میں ماں کی خدمت کو جہاد پر ترجیح دی گئی اور اسے حصول جنت کا ذریعہ بتلایا گیا، نیز ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے اس شخص کے لیے بددعا فرمائی جو والدین یا دونوں میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پاکر بھی جنت کا مستحق نہ بنے، فرمان نبوی ہے:

رغم أنفه ثم رغم أنفه ثم رغم أنفه قيل من يا رسول الله قال من أدرك أبويه عند الكبر أحدهما أو كليهما فلم يدخل الجنة۔ (صحیح مسلم ح:۲۵۵۱، ۲۸۴/۴) اس شخص کی ناک خاک آلود ہو پھر اس شخص کی ناک خاک آلود ہو پھر اس شخص کی ناک خاک آلود ہو، پوچھا گیا کون اے اللہ کے رسول، آپ نے فرمایا: وہ شخص جو اپنے والدین میں سے دونوں یا دونوں میں سے کسی ایک کو بڑھاپے میں پائے اور جنت میں داخل نہ ہو۔ اس حدیث سے یہ معلوم

ہوتا ہے کہ بڑھاپے کی حالت میں والدین کی خدمت کرنا جنت میں جانے کا بہترین اور آسان راستہ ہے اور اگر کسی کو اس راستہ پر چلنے کا موقع ملے اور وہ اس سے فائدہ نہ اٹھائے تو وہ کتنا حرماں نصیب ہے۔اسی لیے اللہ کے رسول نے اس کی محرومی کا تین بار ذکر فرمایا۔

خدمت والدین کے صلہ میں دخول جنت کی ایک سچی مثال اللہ کے رسول نے مسند امام احمد کی روایت میں ذکر فرمائی:

"دخلت الجنة فسمعت فيها قرأة قلت من هذا فقالوا حارثة بن نعمان فقال رسول الله ﷺ كذلك البر كذلك البر وكان أبر الناس بأمه"۔(مسند احمد، ح:۲۴۰۸۰، ۲۵۱۸۲، ۲۵۳۳۷) میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے اس میں قرآن پڑھنے کی آواز سنی، میں نے پوچھا یہ کون ہے، بتایا گیا کہ حارثہ بن نعمان، آپ نے فرمایا یہی نیکی کا بدلہ ہے، یہی نیکی کا بدلہ ہے اور وہ اپنی ماں کی سب سے زیادہ خدمت کرنے والے تھے۔

اسی لیے سلف جو نیکی کے کاموں میں پیش پیش رہا کرتے تھے، جنت کے اس راستہ کو بڑی اہمیت دیتے تھے، اپنے والدین کی خدمت خوش دلی کے ساتھ کیا کرتے تھے، بلکہ اس راہ میں وہ ہر قسم کی تکلیف اور نقصان کو بھی برداشت کرنے کے لیے خود کو آمادہ پاتے تھے، اگر والدین میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جاتا تو انہیں اس بات کا بڑا غم رہتا کہ آج ان کے لیے جنت کا ایک دروازہ بند ہو گیا۔مشہور قاضی ایاس کی والدہ کا انتقال ہوا تو ماں کی وفات کے غم میں وہ رو پڑے، ان سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو جواب دیا: كان لي بابان مفتوحان إلى الجنة، فغلق أحدهما" میرے لیے دو دروازے جنت کے لیے کھلے تھے تو (آہ) ایک بند ہو گیا۔

اوپر ذکر کی گئی احادیث میں صراحت کے ساتھ یہ بات بتلائی گئی کہ برالوالدین جنت کو لے جانے والا راستہ ہے، اب اگر ہم واقعی جنت کے طلب گار ہیں تو اسی راستہ پر چل پڑیں اور والدین کے ساتھ اپنے تعامل کو بہتر سے بہتر بنائیں، اگر اس سلسلہ میں کوتاہی ہے تو اسے دور کریں اور اس کے لیے معافی مانگیں۔ ان الحسنات يذهبن السيئات، ذلك ذكرى للذاكرين۔

☆☆☆

افتتاحیہ

پس چہ باید کرد

الیکشن کی گہما گہمی ختم ہوچکی ہے۔ بھارتیہ جنتا پارٹی پورے طمطراق کے ساتھ برسر اقتدار آچکی ہے۔ وزارت سازی بھی ہوچکی ہے، وزیر اعظم نریندر مودی کی قیادت میں وزرا اپنی ذمہ داریاں سنبھال چکے ہیں۔ دوسری طرف ہاری ہوئی پارٹیاں اپنی شکست کے اسباب کا تجزیہ اور محاسبہ میں مصروف ہیں۔ اس صورت حال کو دیکھ کر میرے ذہن میں چند سوالات پیدا ہوئے۔ کیا ہندوستان کا روایتی کلچر سیکولرازم پر غالب آچکا ہے؟ کیا مودی لہر اتنی طاقت ور تھی کہ ساری سیاسی پارٹیوں کو بہا لے گئی؟ کیا ہندوستان میں سیکولرزم کی نئی تصویر بن رہی ہے؟ ہندوستانی سیاست کے پیچ وخم کا گہرائی سے جائزہ لینے کے بعد محسوس ہوا کہ میرے یہ سوالات محض مفروضے ہیں، ہندوستان کے روایتی کلچر اور سیکولرزم میں ابھی تصادم کی نوبت نہیں آئی ہے۔ مودی لہر بھی بہت زیادہ طاقت ور نہیں تھی، صرف 31 فیصد ووٹوں کے ذریعہ بی جے پی نے شاندار کامیابی حاصل کی، یہ حیرت انگیز ضرور ہے۔

دراصل یہ سیکولر ووٹوں کا بکھراؤ تھا، جس نے بھاجپا کو کامیابی دلائی میرے نزدیک اس کی ذمہ دار علاقائی سیاسی پارٹیاں ہیں جو سیکولر ہونے کا دعویٰ کرتی ہیں اور خودرو پودوں کی طرح اگتی جارہی ہیں۔ ان کی بنیاد ذات پات یا علاقہ پر قائم ہے۔ ان کے باہمی تصادم نے بھی سیکولرزم کو نقصان پہنچایا۔ میں یہاں آپ پارٹی کی مثال دوں گا۔ آپ پارٹی کا دائرۂ اثر دلی اور اس کے نواح تک محدود تھا۔ نوخیز پارٹی ہونے کی وجہ سے نہ اس میں تنظیم تھی اور نہ اس کے پاس وافر تعداد میں کارکن تھے، اس کے باوجود اروند کیجریوال نے چار سو تیس سے زائد نشستوں پر اپنی امیدواری کا دعوی کردیا، جس کا براہ راست فائدہ بھاجپا کو ہوا۔ علاقائی پارٹیاں آپس میں سمجھوتہ کرنے کے بجائے ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالتی رہیں۔ جن صوبوں میں سیکولر ووٹ نہیں بکھرے مثلاً بنگال اور جنوب کے صوبے وہاں کوئی مودی لہر نہیں بن سکی۔ اس الیکشن سے یہ مفروضہ بھی ہوا میں اڑ گیا کہ مسلمانوں کا ووٹ بینک جیت اور ہار میں اہم کردار ادا کرسکتا ہے۔ مسلمانوں نے متحد ہوکر سیکولر پارٹیوں کو ووٹ دیا، مگر وہ ہار گئیں۔ مسلم ووٹ بینک فیصلہ کن اسی صورت میں بن سکتا ہے جب سیکولر ووٹ بکھرنے نہ پائیں۔

بھاجپا کے برسر اقتدار آنے پر مسلمانوں کا خوف ودہشت میں مبتلا ہونا فطری بات ہے۔ بھاجپا کی نکیل سنگھ پریوار کے ہاتھ میں ہے اور سنگھ کو مسلمانوں کا وجود برداشت نہیں ہے۔ سردست تین ایجنڈے ایسے ہیں جن کے نفاذ کے لیے سنگھ بھاجپا پر دباؤ ڈال سکتا ہے۔ پہلا دفعہ 370 کو ختم کرنا، دوسرا یکساں سول کوڈ کا نفاذ، تیسرا رام جنم بھومی کی تعمیر۔ مگر مسلمانوں کو ہراساں

ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔اول الذکر دونوں ایجنڈوں کا تعلق آئین سے ہے، تیسرا ایجنڈا بغیر عدلیہ کے فیصلے کے طے نہیں ہوسکتا ہے، ہاں! یہ ممکن ہے اس کے لیے بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے ماحول تیار کیا جائے۔ بھاجپا بذات خود یہ کام کرکے پہلے دورانیہ میں بدنامی کا ٹھیکرا اپنے سر پر نہیں پھوڑنا چاہے گی۔مسلم قوم کو ہمہ وقت ہوشیار اور چوکنا رہنا ہوگا اور خود اپنی قوم کے ان نام نہاد دانشوروں پر نظر رکھنا ہوگی جو دوسروں کے آلہ کار بننے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔اس کی کئی مثالیں بھاجپا کی حکومت بننے کے بعد ہمارے سامنے آچکی ہیں۔دفعہ 370 کے متعلق بھاجپا ممبر پارلیمنٹ جتیندر سنگھ کے ایک بیان کے بعد پورے ملک اور میڈیا میں شور وغوغا مچ گیا، عمر عبداللہ کے انتہا پسندانہ جواب نے ماحول کو اور گرم کردیا۔ یکساں سول کوڈ کے بارے میں حکومت نے کوئی اشارہ بھی نہیں دیا مگر کئی اردو صحافیوں نے اس پر مضامین کا سلسلہ شروع کردیا ہے۔دراصل اشتعال انگیزی کا یہ مخصوص طریقہ ہے۔جسٹس کاٹجو نے ایک شوشہ چھوڑ دیا اور یکساں سول کوڈ کے سودوزیاں پر پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کو مباحثے کا موضوع مل گیا۔ ہماری ناواقف کاری ہماری جذباتیت کو شعلہ جوالہ بنادیتی ہے۔شاہ بانو کیس (1985) سے آج تک اس جذباتیت میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔ یہ دھیان میں رہے کہ دفعہ 44 میں یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی کوشش کا ذکر ہے تو دوسری طرف دفعہ 25 تا 29 ہماری مذہبی آزادی کا ضمانت دیتا ہے۔اس تضاد کو دور کرنا ناممکن ہے۔آئین سازی سے آج تک یکساں سول کوڈ کے لیے کسی قسم کے خطوط نہیں متعین کیے گئے، جس سے حکومتوں کا اس معاملے سے دلچسپی کا اندازہ لگایا جاسکتا۔سنگھ کی اس معاملے سے دلچسپی محض اس بناء پر ہے کہ اسے گمان ہے کہ اس سے ہندو عائلی نظام کی توسیع ہوگی، اگر ایسا ہوا تو یہ ایک مضحکہ خیز صورت ہوگی اور سیکولزم کے لیے ناقابل برداشت ہوگی، کیوں کہ بشمول مسلم دیگر مذاہب پر بھی اس کا اطلاق ہوگا اور کیا اس میں مردوں کو جلانے اور دفن کرنے کا طریقہ بھی شامل نہیں ہوگا۔اگر مغرب سے کوئی قانون امپورٹ کیا گیا تو ہندوستان جیسے کثیر المذاہب ملک کے عوام کے لیے یہ قابل قبول ہوگا۔حقیقت یہ ہے کہ سیاسی پارٹیوں کو معلوم ہے کہ یہ مسئلہ بہت نازک اور حساس ہے اور مسلمان اپنی جذباتیت کی وجہ سے سب سے پہلے مشتعل ہوتے ہیں اور جلد ہی یہ ہندو مسلم نزاع میں تبدیل ہوجاتا ہے، ہندوؤں کی صف بندی اور انھیں متحد کرنے کے لیے یہ ایک کارگر حربہ ہے۔خدانخواستہ اگر ایسا موقع آتا ہے تو مسلم علماء اور قائدین کو اشتعال میں آنے کے بجائے دوسرے مذاہب والوں سے بھی رابطہ کرنا پڑے گا کیوں کہ یہ صرف اکیلے مسلمانوں کا مسئلہ نہیں ہے۔

ڈیڑھ سو سال سے ہندوستانی مسلمان مسلسل آزمائش کے دور سے گزر رہے ہیں، کوئی نہیں بتاسکتا ہے کہ آزمائش کا یہ وقفہ کتنا طویل ہوگا۔حالات بتارہے ہیں کہ آگے کا راستہ مزید مشکل ہوگا اور ہمارے سامنے مزید مشکلات اور مسائل آئیں

گے۔مسلمانوں کے سامنے صحیح سمت نہیں ہے اور نہ کوئی رہبر ہے۔ ہماری میراث ہم سے چھن گئی صرف ایک تشخص کے ذریعے ہم زندہ ہیں، لیکن ہماری بے حسی، انتشار اور پست ذہنیت میں کوئی کمی نہیں آئی ہے، اگر اب بھی ہم بیدار نہ ہوئے تو اللہ نہ کرے اسپین کے مسلمانوں جیسا ہمارا حشر نہ ہو۔ ہمارے لیے مثبت پہلو یہ ہے کہ ہم جمہوریت کے سایے تلے سانس لے رہے ہیں، جس میں ہمیں یہ آزادی حاصل ہے کہ اپنے وجود کے بقا کے لیے اپنے معاشرہ کو صحت مند، مستحکم اور روشن خیال بنا سکیں۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ صحت مند اور مثبت تبدیلی ہمیشہ اندر سے پیدا ہوتی ہے، انڈا خارجی دباؤ سے ٹوٹے تو ایک زندگی کا زیاں ہوتا ہے اور اندرونی دباؤ سے ٹوٹے تو ایک نئی زندگی جنم لیتی ہے۔ کسی بھی معاشرہ کی تعمیر وتخریب میں خارجی اور داخلی دونوں طرح کے عوامل اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ داخلی عوامل کی بیخ کنی ہمارے بس میں ہوتی ہے۔ خارجی عوامل ہماری دسترس سے باہر ہوتے ہیں۔ یہ معاشرہ پر اثر انداز ہوتے ہیں، اسے تباہ و برباد کر سکتے ہیں، لیکن اسے فنا نہیں کر سکتے، بشرطیکہ معاشرہ اندر سے مستحکم ہو۔ جسم کا دماغی نظام طاقت ور ہوتا ہے تو مہلک بیماریوں کو اپنے پاس نہیں آنے دیتا ہے۔ زیادہ تر خارجی عوامل کا عارضی، ہنگامی اور وقتی ہوتے ہیں، وہ معاشرہ کو نقصان پہنچا سکتے ہیں، لیکن مضبوط معاشرہ اپنے تحفظ کا سامان خود کر لیتا ہے۔

ہندوستانی مسلم معاشرہ کا جب ہم تجزیہ کرتے ہیں تو ایسے تلخ حقائق ہمارے سامنے آتے ہیں جن کی بنا پر ہم اسے ایک ریب نارمل اور مریض معاشرہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ہمارے معاشرے کی جڑوں میں جو بیماریاں پیوست ہیں، ان سے نجات حاصل کیے بغیر ہم صالح اور صحت مند معاشرہ کا تصور بھی نہیں کر سکتے، ذیل کی سطور میں ان میں سے چند اہم بیماریوں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

۱- Ghettoisation: کا لفظ دراصل ان چھوٹے چھوٹے گھروں کے لیے بولا جاتا تھا، جس میں یورپ خصوصا جرمنی میں یہودی رہنے پر مجبور تھے، بعد میں اقلیت کے ان علاقوں کے لیے بولا جانے لگا جو بہت گھنے، تنگ اور خستہ حال ہوتے ہیں، دوسرے لفظوں میں ہم انھیں Slum Style Life یعنی جھونپڑ پٹی رہن سہن کہہ سکتے ہیں۔ آج ہندوستان میں مسلم معاشرے کا بھی یہی حال ہے، جس علاقے کی آبادی بہت گھنی ہو، قدم قدم پر گندگی اور کوڑے کا ڈھیر ہو۔ خستہ مکانات ہوں۔ نہ پارک ہو، نہ میدان ہو۔ اسکول اور ہسپتال کمیاب ہوں۔ سڑکوں کے کنارے اور چائے خانوں میں رات گئے تک لوگ باگ بیٹھے گپیں لڑا رہے ہوں۔ ننگ دھڑنگ بچے تنگ گلیوں میں گولیاں کھیل رہے ہوں۔ دکانیں صفائی اور ستھرائی سے خالی ہوں آپ سمجھ لیجئے کہ یہ مسلم علاقہ ہے۔ خوش حال طبقہ بھی ہوگا تو گلیاں چار فٹ سے زیادہ چوڑی نہیں ملیں گی اور مکانوں کے برآمدے آپس میں ہم آغوش ہوں گے۔ صاف اور تازہ ہوا اور نظافت سے ہمارے علاقے کوسوں دور ہیں۔ یہ بکھراؤ اور

کثافت بھری زندگی ہمیں بے ضابطہ بننے پر مجبور کرتی ہے۔ ہم طرح طرح کی بیماریوں کو خود دعوت دیتے ہیں۔ ہم ایک ایسی آوارہ زندگی گذار رہے ہیں جس میں اصول اور ضابطوں کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ آزادی کے بعد سے ہم نے کیمپ اور جھوپڑ پٹی کا رہن سہن اپنالیا ہے۔ ہر مسلم اکثریتی علاقے میں صورت حال یہی نظر آئے گی۔ اب تو دیہی علاقے بھی اس کی زد میں آگئے ہیں۔ نتیجہ کے طور پر ہم نے عام ہندوستانی معاشرہ سے کٹ کر اپنی الگ دنیا بسالیا ہے۔ صحت مندی کے لیے جو سہولیات میسر ہونا چاہیے، ہمیں اس کی کوئی جانکاری نہیں ہے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ جسم کے ساتھ ہماری روح اور ہمارا دماغ بھی بیمار ہوگیا اور ہمارے ذہن پست ہوتے چلے گئے۔ پست ذہنی نے دروں بینی، دور بینی، صبر واستقامت اور مومنانہ فراست کو ہم سے چھین لیا۔ یہی وجہ ہے۔ قائدانہ صلاحتیں ابھر کر سامنے نہیں آرہی ہیں، ٹیلنٹ اور ذہانت گرد وغبار میں مل جاتی ہیں، تنگ نظری، بغض، عداوت اور تصادم کا رویہ ہمارے رگ وپے میں سرایت کرتا جارہا ہے۔ صحت مند معاشرہ بنانے کے لیے ہمیں اپنی اس طرز زندگی کو بدلنا ہوگا۔

۲- Mentality of Categorization: (ذہنی تبویب کاری) تلخ نوائی سے درگزر فرمائیں، یہ حقیقت ہے کہ ہمارے معاشرہ میں دو قسم کے مسلمان ہیں۔ ایک طبقہ تو وہ ہے جو اپنی اسلامی زندگی کا مرکز واساس صرف قرآن اور حدیث کو سمجھتا ہے۔ توہمات، روایات اور سلاسل وغیرہ کو اسلام سے خارج گردانتا ہے۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جسے ہم کلچرل مسلمان کہہ سکتے ہیں، جو تصوف کی پراسرار دنیا، رسوم ورواج، وہم وگمان کو دین کا جز سمجھتا ہے۔ کلچرل مسلمان کی جڑیں عہد مغلیہ میں پیوست ہیں اور یہیں سے اس کی شاخیں پھوٹیں۔ تبویب کاری کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ کچھ تو ہندوستانی آب وہوا کی مرہون منت ہے اور کچھ انگریزوں نے ٹول Tool کی طرح اسے استعمال کیا اور امت مسلمہ کے تصور وحدت کو پارہ پارہ کردیا۔

ہندوستانی مسلم معاشرہ میں دو طرح کی تبویب کاری ہے۔ پہلی ذات پات سے متعلق ہے۔ دوسری مذہب سے متعلق ہے۔

ذات پات سے متعلق تبویب کاری (Cast Categorization) اسلام سے ادنی سی واقفیت رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ اس میں ذات پات کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے: عربی کو عجمی پر، نہ عجمی کو عربی پر، نہ گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر کوئی فضیلت حاصل ہے، فضیلت کی بنیاد صرف تقویٰ ہے۔ (مسند احمد: ۴۱۱/۵، حدیث: (۲۳۵۳۶)، سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ: ۲۷۰۰) اللہ نے انسانوں کو قوم اور قبائل میں محض شناخت کے لیے تقسیم کیا۔ ﴿إنا جعلناكم شعوبا و قبائل لتعارفوا﴾ (سورۃ الحجرات: ۱۳)۔

دنیا کے کسی گوشے میں مسلمان ذات پات میں نہیں بٹے ہوئے ہیں، صرف برصغیر میں ہندو قوم کی رفاقت ہندی مسلمانوں پر ایسی اثر انداز ہوئی کہ ٹھیک اسی ترتیب سے مسلمانوں نے خود کو ذات پات میں بانٹ لیا۔ انگریزوں نے اسے نہ صرف شہ دی بلکہ سرکاری طور پر مسلمانوں کو اشراف اور ارازل میں تقسیم کر دیا۔ اشراف میں شیخ، سید، مغل، اور پٹھان کو رکھا گیا اور ارازل میں انصاری، نداف، منیہار، موچی، سقہ، مہتر اور نہ جانے کتنی ذاتیں پیشے کی بنیاد پر بنا ڈالیں۔ ہر ذات نے اپنے گرد ایک حصار کھینچ لیا اور پھر اسے دیوار میں تبدیل کر دیا۔ وہ مساوات جس کا درس ہمیں اسلام نے دیا تھا، اسے ہم نے دریا برد کر دیا۔ برادری کی اس دیوار کو اس قدر اونچی کر دیا کہ دوسری برادری چھلانگ لگا کر پار نہیں کر سکتی ہے۔ رشتے ناطے، خاندان سب کو برادری تک محدود کر دیا اس طرح ایک معاشرہ میں سینکڑوں معاشرے بن گئے اور سب کے سب ایک دوسرے سے الگ تھلگ۔

مذہبی تبویب کاری (Sect Categorization) اسلام نے ہمیں وحدت کی دعوت دی، اللہ نے فرمایا: ﴿واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا﴾ (آل عمران: ۱۰۳) اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور آپس میں اختلاف نہ کر بیٹھو۔ اختلاف ہونا فطری ہے، بشری تقاضا ہے۔ لیکن یہی اختلاف دوری، منافرت، دشنام اور تصادم پر آمادہ کرے تو تباہی اور بربادی لازمی ہے۔ ہمیں فطرت سے سبق لینا چاہیے۔ کائنات کی جاندار اور بے جان تمام اشیاء میں اختلاف اور فرق ہے لیکن ایک نظم ونسق ہے جو ان کو ایک لڑی میں پروئے ہوئے ہے۔ گلستاں کو دیکھئے یاسمین، جوہی، گلاب، گل عباس ہر سنگھار سب کی خوشبو اور رنگت الگ ہے لیکن کوئی دوسرے کو اکھاڑ پھینکنا نہیں چاہتا ہے۔ اس کے برعکس جنگل کی زندگی کا نظارہ کیجئے یہاں قوت اور خوں ریزی کا دبدبہ ہے۔ ایک جانور دوسرے کا وجود برداشت نہیں کر سکتا ہے۔ ہمیں اختیار ہے کہ جنگل کی زندگی انتخاب کریں یا پھولوں کی طرح خوشبو پھیلائیں۔ مذہب، مسلک، ذوق میں اختلاف ہو سکتا ہے، ہمیں ایک چیز پسند ہو سکتی ہے دوسرے کو نہیں ہو سکتی ہے۔ ہمیں ہر رنگ بھاتا ہے تو دوسرے کو سرخ رنگ اچھا لگتا ہے۔ مسالک کے اختلاف کو منافرت میں کیوں بدلیں؟

برادری اور مسالک کی دیواروں کی بلندی نے ہم کو پست ذہنیت، تنگ نظری، پس ماندگی کے علاوہ کچھ نہیں دیا، ہمیں خطرات سے مقابلہ کرنا ہے تو ان دیواروں کو گرانا ہوگا اور منافرت کی دیوار کھڑی کرنے والوں سے ہمیں نپٹنا ہوگا۔ ہم نے اگر پارینہ اور فرسودہ راہوں کو نہ چھوڑا تو شاید ہم اپنا تشخص بھی کھو بیٹھیں۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ "اللهم لا تسلط علينا من لا يرحمنا" (صحیح سنن الترمذی: ۳۵۰۲/۲۷۸۳) ہم نصرت الٰہی اور تائید غیبی کی دعا کرتے ہیں لیکن ہماری دعائیں رائگاں جاتی ہیں، کیوں کہ ہمارے دل میں یہی ہے کہ اے اللہ بس تو ہماری مدد کر دے۔ لیکن ہم کریں گے وہی جو

ہمارا جی چاہے گا، اس طرح تو نصرت الٰہی آنے سے وہی ہوگا جو اللہ چاہے گا۔ اللہ نے نصرت الٰہی کو ایمان خالص کے ساتھ مشروط کر دیا ہے۔ ایمان میں نفرت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

تبویب کاری کی کوئی جگہ اسلام میں نہیں۔ یہ تبویب کاری مسلم معاشرہ کو صحت مند بنانے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ آیئے ہم یہ عہد کریں کہ دوری کو قربت میں، منافرت کو محبت میں، دشنام طرازی کو حسن اخلاق میں اور تصادم کو مفاہمت میں بدل کر رہیں گے۔ وہ نام نہاد علماء اور قائدین جو اپنی زبان اور قلم سے انگاروں کی بارش کرتے ہیں۔ مسلم معاشرہ کے ماحول کو مسموم اور زہریلا بناتے ہیں، جو اپنی تحریر و تقریر سے نفرت کا آتش کدہ دہکاتے ہیں اور اپنی دکان چلاتے ہیں، ہم انھیں ان کی اوقات بتادیں گے اور ان دیواروں کو ڈھا کر ایک صحت مند معاشرہ بنائیں گے۔

۳- Pedagogy: عروج حاصل کرنے والی تمام قوموں کی تربیت اور تعلیم کا ایک طریقۂ کار ہوتا ہے جسے Pedagogy کہا جاتا ہے، اسلام نے ہمیں اول وحی میں علم اور تعلیم کی طرف رہنمائی کر دی۔ سیرت نبوی سے اسلام کے تعلیمی مزاج کو پرکھا جاسکتا ہے، اس نے کبھی دینی اور عصری تعلیم میں حد فاصل نہیں کھینچا۔ آپ پوری اسلامی تاریخ کا مطالعہ کر جایئے۔ زمانہ کے لحاظ سے اسلامی حدود کے اندر مسلمانوں نے طریقۂ تعلیم کو فروغ دیا۔ آج کا ہندی مسلمان تعلیم میں سب سے بچھڑا ہوا ہے۔ اسلامی مزاج کو سامنے رکھتے ہوئے مسلم ماہرین تعلیم کو جدید ٹکنالوجی سے طریقۂ تعلیم کو ہم آہنگ کرنا ہوگا۔ اگر ہم اس میدان میں آگے بڑھ گئے تو مسلم معاشرہ کے دیگر امراض کو ختم کرنا آسان ہوگا۔ شعور اور فہم کا مادہ پیدا ہوگا۔ ہمارے اندر جو جذباتیت، اشتعال انگیزی اور ایک قسم کی ذہنی مائگرین Migeraine ہے اس کا خاتمہ ہوجائے گا۔ مائگرین کی بیماری میں نصف سر میں شدید درد ہوتا ہے، قے کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، مریض جھنجھلاہٹ اور اشتعال کا شکار ہوجاتا ہے اور یہی چیز ہمارے قومی مزاج میں داخل ہوگئی ہے، ہم معمولی معمولی باتوں پر آمادۂ جدال ہوجاتے ہیں۔ ذرا ہولی کا رنگ پڑ گیا، مرنے مارنے پر آمادہ ہوگئے، ہم نے بٹلہ ہاؤس دہلی میں دیکھا کہ ایک شخص ٹھیلہ پر اردو کی دینی کتابیں فروخت کر رہا تھا۔ کسی غیر مسلم سے دھکا لگ کر ایک کتاب زمین پر گر گئی۔ تھوڑی دیر میں دنگا شروع ہوگیا۔ پولیس نے آنسو گیس چھوڑنا شروع کیا، جس کا شکار میں اور میرے بچے بھی ہوئے، یہی ذہنی مائگرین ہے۔ تعلیمی مزاج ہی ہمیں ان سے نجات دلاسکتی ہے۔

☆☆☆

نماز: مومن کی پہچان

ڈاکٹر عبدالرحمٰن السدیس
امام وخطیب مسجد حرام، مکہ مکرمہ

برادران اسلام! اس وقت ہم ایک ایسے مادی دور سے گزر رہے ہیں جو انسان کے لیے بڑا صبر آزما اور اعصاب شکن ہے۔ ہر طرف دنیا کے حصول کے لیے دھکم پیل ہو رہی ہے۔ مادی زندگی کی اس کڑی دھوپ میں آدمی کبھی سکون کی ایسی چھاؤں کو ڈھونڈتا ہے جہاں اسے کچھ دیر کے لیے آرام کا موقع مل سکے، کچھ دیر کے لیے دل ودماغ کو راحت میسر آسکے، لیکن اس مادی دور میں مطلوبہ سکون واطمینان اسلام کے شجر سایہ دار کے علاوہ کہیں نہیں مل سکتا۔ اس سکون، راحت اور ٹھنڈک کے حصول کے لیے نماز سب سے بہترین عملی ذریعہ ہے، چاہے وہ فرائض کی شکل میں ہو یا نوافل کی شکل میں، فرمان الٰہی ہے:

﴿استعينوا بالصبر والصلوة﴾. (۱)

''تم صبر اور نماز کے ساتھ مدد مانگو''۔

مزید فرمایا: ﴿وأقم الصلاة إن الصلاة تنهى عن الفحشاء والمنكر﴾۔ (۲)

اور نماز قائم کیجئے، یقیناً نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کرتے تھے:

"قم يا بلال! فأرحنا بالصلاة"۔ (۳) ''بلال! اٹھو اور نماز کے ذریعہ ہمیں راحت پہنچاؤ''۔

بلکہ خود رسول اکرم ﷺ کو بھی کوئی اہم مسئلہ پیش آتا تھا تو آپ نماز کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ (۴)

عزیز بھائیو! کیا آپ نے کبھی غور کیا کہ نماز کے لیے یہ اہتمام کیوں ہے؟ اس لیے کہ اللہ عزوجل اور بندے کے درمیان تعلق پیدا کرنے کا یہ بہترین ذریعہ ہے۔ نماز کے لیے جب بندہ عجز وانکسار کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے تو اس کا جو بہترین اثر اصلاحی اعتبار سے اس کی ذات پر پڑتا ہے، اس کی لذت سچا نمازی ہی محسوس کرسکتا ہے۔ لیکن ہمیں یہاں یہ سوچنا ہوگا کہ وہ کونسی نماز ہے جو انسان کو برائیوں سے روکتی ہے؟ وہ کونسی نماز ہے جو تقرب الٰہی کا ذریعہ بنتی ہے؟ وہ کونسی نماز ہے جو دین ودنیا کی ترقی کا سبب بنتی ہے؟ کیا یہ عظیم الشان فائدے صرف نماز کی چند ظاہری حرکات سے حاصل ہوسکتے ہیں؟ ہرگز نہیں! بلکہ

(۱) البقرۃ: ۲/۱۵۳۔

(۲) العنکبوت: ۲۹/۴۵۔

(۳) مسند احمد: ۵/۳۷۱، وسنن ابی داود، حدیث: ۴۹۸۶۔

(۴) مسند أحمد: ۵/۳۸۸، وسنن ابی داؤد، حدیث: ۱۳۱۹۔

اس کا حقیقی فائدہ صرف انہی لوگوں کو ہوگا جو اس کے مفہوم پر غور کریں، جو خشوع وخضوع کا پیکر بنیں، جو جسمانی حرکات کے ساتھ اپنی روح کو بھی نماز میں مشغول رکھیں، جن کی نماز قرآن وسنت کی تعلیمات کا نمونہ ہو۔ یہی وہ نماز ہے جو مومن کی معراج ہے، جو اس کے درجات کی بلندی کا ذریعہ بنتی ہے۔ اس کیفیت سے جب نمازی بارگاہ الٰہی میں پیش ہوتا ہے تو اسے وہ سرور حاصل ہوتا ہے جو اس کے جسم وجان کے لیے باعث راحت بن جاتا ہے۔

محترم بھائیو! سچا مسلمان نماز کی اہمیت سے کبھی غافل نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ یہ دین کا ستون ہے، یہ کفر اور ایمان کے درمیان فرق کرنے والی عبادت ہے بلکہ اس کی حیثیت وہی ہے جو کسی جسم میں سر کی ہوتی ہے، جس طرح جسم سر کے بغیر ناقص ہے اسی طرح دین نماز کے بغیر ناتمام ہے، لیکن نماز کی اتنی زبردست اہمیت کے باوجود کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہم میں بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جو ادائے نماز میں غفلت برتتے ہیں، نماز پڑھنے میں سستی اور کاہلی کا مظاہرہ کرتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان پر دنیا ہی میں اللہ کا غضب نازل ہوجائے۔ مسلمانوں کو نماز پر خصوصی توجہ دینی چاہیے تاکہ وہ دنیا اور آخرت کی سعادت سے مالا مال ہوسکیں۔

نماز کی اہمیت کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ علم بھی ہونا چاہیے کہ اس کی کچھ شرائط، واجبات، ارکان اور مسائل ہیں تاکہ ہم اپنی نمازوں سے پورا فائدہ اٹھاسکیں۔ بہت سے نمازیوں کی نماز میں مختلف غلطیاں عام ہیں، ان کی روک تھام ضروری ہے، جیسا کہ فرمایا گیا:

"أسوأ الناس سرقة الذي يسرق من صلاته"۔(۱)

''سب سے برا چور وہ ہے جو نماز پڑھنے میں چوری کرتا ہے''۔

نماز کی چوری یہ ہے کہ اس کے ارکان صحیح ادا نہ کیے جائیں، رکوع، سجود وغیرہ میں سستی کی جائے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"إن الرجل لينصرف وما كتب له إلا عشر صلاته تسعها ثمنها سبعها سدسها خمسها ربعها ثلثها نصفها"۔(۲)

''(بعض اوقات) انسان نماز سے فارغ ہوتا ہے اور اس کے لیے اس کی نماز سے صرف دسواں، نواں، آٹھواں، ساتواں، چھٹا، پانچواں، چوتھا، تیسرا اور آدھا حصہ ہی لکھا جاتا ہے''۔

یہ کٹوتی اس کی نیت اور نماز پڑھنے کے اسلوب کے مطابق ہوتی ہے، لہٰذا کوشش کرنی چاہیے کہ ہر رکن صحیح ادا ہو، تاکہ پورا پورا فائدہ حاصل ہوسکے۔ یہاں افادۂ عام کی غرض سے کچھ اہم باتیں بیان کی جاتی ہیں۔

(۱) مسند احمد: ۳۱۰/۵۔

(۲) مسند احمد: ۳۲۱/۴، وسنن ابی داؤد، حدیث: ۷۹۶۔

(۱) ظاہری اور باطنی طہارت نماز کی بنیادی شرط ہے، اس کے بغیر نماز قابل قبول نہیں ہوتی۔ طہارت اور وضو مسنون طریقے سے کرنا چاہیے۔ وضو کے مسئلے میں بعض لوگ وسوسے کا شکار ہوتے ہیں اور بے مقصد پانی ضائع کرتے ہیں جبکہ بعض حد درجہ کاہلی کا مظاہرہ کرتے ہیں حتی کہ پانی قریب ہونے کے باوجود تیمّم سے کام چلانا چاہتے ہیں۔ یہ دونوں فریق غلط ہیں، انہیں اصلاح کرنی چاہیے۔

(۲) قبلہ رخ ہونا نماز کی بنیادی شرط ہے، جو مسجد حرام میں ہوں ان کے لیے تو ضروری ہے کہ ان کا رخ بالکل کعبۃ اللہ کی طرف ہو ورنہ اس مسئلے میں غفلت ناقابل قبول ہے۔

(۳) ستر پوشی نماز کی شرائط میں سے ہے، لیکن بعض لوگ اس کا اہتمام نہیں کرتے، کبھی ان کا لباس اتنا باریک ہوتا ہے کہ ان کا جسم دکھائی دے رہا ہوتا ہے اور کبھی اتنا تنگ کہ انہیں حرکت کرنے خصوصا رکوع وسجود میں مشکل ہوتی ہے۔ اس پر توجہ دینی چاہیے۔

(۴) عورت کے لیے سارا جسم ڈھانکنا ضروری ہے سوائے چہرے کے اور اگر غیر محرم مرد ہوں تو چہرہ بھی ڈھانپ لے، اور مسجد میں آئے تو بالکل سیدھی سادھی کیفیت میں بناؤ سنگھار اور خوشبو استعمال کیے بغیر آئے تاکہ اسے پورا پورا ثواب مل سکے۔

(۵) نماز شروع ہونے سے پہلے صفوں کو سیدھا کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ نبی کریم ﷺ اس پر خصوصی توجہ فرمایا کرتے تھے، جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے:

"لتسون صفوفكم أو ليخالفن الله بين وجوهكم"۔(۱)

''(اللہ کے بندو!) تم اپنی صفیں ضرور ٹھیک کروگے ورنہ اللہ تعالی تمہارے درمیان پھوٹ ڈال دے گا''۔

ٹھیک صف بندی امام اور مقتدی دونوں کی ذمہ داری ہے، لیکن اس میں کسی کو تکلیف پہنچانے سے گریز کیا جائے۔

(۶) خشوع جو نماز کی روح اور قبولیت کی پہچان ہے، فرمان الہی ہے:

﴿قد أفلح المؤمنون، الذين هم في صلاتهم خاشعون﴾۔(۲)

''مومن یقیناً فلاح پاگئے، وہ جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں''۔

لیکن وہ لوگ جو اپنی نمازوں میں سستی کرتے ہیں یا جو اپنی توجہ ادھر ادھر مبذول کرتے ہیں یا جو نماز میں غیر ضروری حرکات میں مشغول رہتے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ سب چیزیں روح نماز اور خشوع کے منافی ہیں، ان کی نماز ناقص اور ناتمام ہوگی۔ نماز میں اطمینان ضروری ہے بلکہ اطمینان نماز کا لازمی تقاضا ہے، اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے ایک صحابی کو،

(۱) صحیح البخاری، حدیث: ۷۱۷، وصحیح مسلم، حدیث: ۴۳۶۔

(۲) المؤمنون: ۲۳/۱،۲۔

جنہوں نے نماز میں عجلت کی تھی، نماز دہرانے کا حکم دیا اور فرمایا:

"ارجع فصل فإنك لم تصل"۔(۱)

''جاؤ پھر سے نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی (حالانکہ انہوں نے آپ کے سامنے نماز پڑھی تھی، لیکن جلد بازی میں پڑھی تھی)''۔

(۷) جو لوگ باجماعت نماز ادا کر رہے ہوں ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ امام کی اقتدا کریں، یعنی ہر کام اس کے بعد کریں، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"إنما جعل الإمام ليؤتم به"۔(۲)

''بے شک امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے''۔

امام کے آگے بڑھنا صحیح نہیں کیونکہ اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے، جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"أما يخشى أحدكم، أو لا يخشى أحدكم إذا رفع رأسه قبل الإمام أن يجعل الله رأسه رأس حمار؟ أو يجعل الله صورته، صورة حمار؟". (۳)

''کیا تم لوگ اس بات سے نہیں ڈرتے کہ کوئی امام سے پہلے اپنا سر رکوع یا سجدے سے اٹھائے تو اللہ تعالی (کو یہ اتنا ناپسند ہے کہ) اس کا سر گدھے کا سر بنا ڈالے یا اس کا چہرہ گدھے کے چہرے میں تبدیل کر ڈالے؟''۔

امام احمد بن حنبل نے تو یہاں تک فرمایا:

"ليس لمن سبق الإمام صلاة"۔(۴)

''جو امام سے آگے بڑھے اس کی نماز ہی نہیں ہوتی''۔

لہذا تمام نمازیوں کو خاص خیال رکھنا چاہیے کہ ہماری ہر حرکت امام کے پیچھے ہو۔ رکوع، سجود اور قیام وغیرہ میں اس کا خاص خیال رکھا جائے، امام سے پہلے رکوع میں جانے یا سجدہ کرنے سے نماز باطل ہو جائے گی۔

نماز اللہ تعالی کی طرف بہت دل لگا کر بڑے دھیان سے بہترین انداز میں پڑھنی چاہیے تاکہ اللہ تعالی نے ہمیں جو موقع عطا فرمایا اس سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکیں کیونکہ ہمیں جو نادر موقع دیا گیا وہ کسی اور قوم اور مذہب کے ماننے والوں کو نہیں

(۱) صحیح البخاری، حدیث: ۷۹۳، وصحیح مسلم، حدیث: ۳۹۷۔
(۲) صحیح البخاری، حدیث: ۶۸۸، وصحیح مسلم، حدیث: ۴۱۲۔
(۳) صحیح البخاری، حدیث: ۶۹۱، وصحیح مسلم، حدیث: ۴۲۷۔
(۴) المغنی لابن قدامہ: ۲۰۹/۲۔

ملا، لہذا چاہے ہم دنیا کے کسی گوشے میں رہیں اس فریضے کی ادائیگی میں کوئی غفلت نہیں ہونی چاہیے۔

اللہ تعالی ہمیں دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے، مسلمانوں کے حالات درست فرمائے، انہیں شعائر اسلام کی حفاظت اور نماز کی پابندی کی توفیق بخشے۔ اللہ ہم سب کی مغفرت فرمائے، آمین۔

لوگو! آپ پر لازم ہے کہ اللہ کا تقوی اختیار کریں اور اقامت صلاۃ کی بھرپور کوشش کریں، کیونکہ نماز ہی سے آپ کو دنیا میں نور حاصل ہوگا اور آخرت میں زبردست اجر وثواب ملے گا۔ اگر آپ قرآن مجید کی وہ آیات پڑھیں جن میں نماز کا حکم دیا گیا ہے تو آپ پر یہ حقیقت اجاگر ہوگی کہ اللہ رب العزت نے نماز کا حکم دیتے ہوئے ہمیشہ ''اقامت صلاۃ'' کے الفاظ ارشاد فرمائے ہیں۔ اقامت صرف ذاتی طور پر نماز پڑھنے کو نہیں کہتے بلکہ مکمل اہتمام اور پوری توجہ دینے کو کہتے ہیں، لہذا نماز کی صرف ظاہری ادائیگی کافی نہیں بلکہ اپنے لواحقین، اولاد، رشتہ دار اور پڑوسیوں کو بھی نہایت محبت اور حکیمانہ طریقے سے نماز کی طرف مائل کرنا چاہیے۔ ائمہ مساجد کو چاہیے کہ لوگوں میں نماز کا صحیح شعور اور آگاہی پیدا کریں، نماز کے مسائل التزام سے بیان کرتے رہیں، نماز کا نبوی طریقہ سکھائیں، جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"صلوا كما رأيتموني أصلي". (۱)

''تم نماز اس طرح پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے''۔

نماز کا مسنون طریقہ سیکھنے اور سکھانے کی ہر سطح پر اشد ضرورت ہے تاکہ ہم صحیح طریقے سے نماز ادا کرسکیں۔ اس سلسلے میں ایک ضروری گزارش یہ ہے کہ نماز کی تفصیلات میں بعض فقہی نوعیت کے اختلافات ہیں، خصوصا نماز کی سنتوں اور مستحبات کے سلسلے میں اختلافات پائے جاتے ہیں، اس بارے میں ہم سب کو انتشار سے بچنا چاہیے، ایک دوسرے کے خلاف تیز وتند جملوں اور حملوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔ آداب اور حدود کا خیال رکھتے ہوئے آسان لفظوں اور میٹھے لہجے میں سنت کے مسائل بیان کرنے چاہئیں۔

درود وسلام پڑھیے اس ذات پر جس نے سب سے بہتر نماز ادا کی، جو قیامت کے دن مقام محمود پر جلوہ افروز ہوں گے اور حوض کوثر پر میزبانی فرمائیں گے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

☆☆☆

(۱) صحیح البخاری، حدیث: ۶۳۱۔

انسان کی کامیابی کے اسباب
(سورۃ العصر کی روشنی میں)

تحریر: ڈاکٹر محمد بن موسیٰ آل نصر ترجمہ: عبدالغفار سلفی

اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿وَالْعَصْرِ، إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ، إِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ (سورۃ العصر) (قسم ہے زمانے کی! انسان خسارے میں ہے، سوائے ان کے جو ایمان لائے، نیک عمل کرتے رہے، ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کرتے رہے)۔

سورۃ العصر ایک عظیم معجزانہ سورت ہے جو الفاظ کے اعتبار سے مختصر ہے لیکن معنی کے اعتبار سے بہت جامع ہے، اس میں سعادت کے تمام اسباب جمع کر دیے گے ہیں اور بدبختی کے تمام اسباب سے خبردار کر دیا گیا ہے، اگر کوئی فصاحت وبلاغت میں ممتاز ترین آدمی بھی سعادت اور شقاوت کے اسباب بیان کرنا چاہے تو اسے کئی جلدوں کی ضرورت پڑے گی اور پھر بھی وہ اپنے مطلوب کو نہ پا سکے گا، لیکن یہ اللہ کا کلام ہے کہ باطل نہ تو اس کے آگے سے آ سکتا ہے اور نہ پیچھے سے اور جن وانس اس کے جیسی ایک سورت بھی لانے پر قادر نہیں۔

یہ سورت بناوٹ کے اعتبار سے تھوڑی سی ہے، لیکن معنی کے اعتبار سے بہت ہے، اس میں دنیا اور آخرت کی بھلائی جمع کر دی گئی ہے، جو اس پر عمل کرے گا کامیاب وکامران ہوگا اور جو عمل نہیں کرے گا وہ خائب وخاسر ہوگا۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لو ما أنزل الله إلا هذه السورة حجة على خلقه لكفتهم" ''اگر اللہ نے اپنی مخلوق کے لیے حجت کے طور پر صرف یہی سورت نازل فرمائی ہوتی تو یہ سورت ساری مخلوق کے لیے کافی ہوتی''۔ یہ سورت بندے اور اس کے رب کے درمیان منقسم ہے، اس کے نصف اول میں ایمان اور عمل صالح کا ذکر ہے، جو بندے کی جانب سے اللہ کے لیے ہوتا ہے اور نصف ثانی میں حق اور صبر کی وصیت کا ذکر ہے جو بندے اور اس کے بھائیوں کے درمیان کی چیز ہے۔ اس سورت کا آغاز اللہ نے قسم کے ذریعہ کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ جس بات پر قسم کھائی جا رہی ہے وہ کوئی بڑی اور اہم چیز ہے، اللہ تعالیٰ تو اپنے قول میں سب سے سچا ہے ہی، وہ قسم کھائے یا نہ کھائے، لیکن اللہ جب چاہتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے قسم کھاتا ہے، اس نے چاشت کے وقت کی، طور کی، ستارے کی، دوڑنے والے گھوڑوں کی اور دیگر چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں۔

کیا مخلوق کے لیے غیر اللہ کی قسم کھانا جائز ہے؟

بالکل نہیں! اس لیے کہ کتاب وسنت کے عمومی دلائل غیر اللہ کی قسم کھانے سے روکتے اور اس سے خبردار کرتے ہیں، سنت مطہرہ میں وارد ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "من حلف بغير الله فقد أشرك" (صحیح الجامع:۶۲۰۴) جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا، عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: "لئن أحلف بالله كاذبا أحب إلي من أن أحلف بغيره صادقا، لأن من حلف بغير الله فقد أشرك" میں اللہ کی جھوٹی قسم کھاؤں، یہ بات مجھے زیادہ پسند ہے اس کی بنسبت کہ میں غیر اللہ کی سچی قسم کھاؤں اس لیے کہ جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔

اکثر مفسرین نے یہ موقف اپنایا کہ یہاں ''العصر'' سے مراد زمانہ ہے، کہا جاتا ہے کہ زمانہ کی قسم اللہ نے اس لیے کھائی کہ اس میں غور کرنے والے کے لیے عبرت کا بہت سامان ہے، اس لیے کہ زمانے ہی میں اللہ معاملات کو پھیرتا ہے، تقدیریں بناتا ہے اور اسی زمانے ہی میں اللہ کی اطاعت کرنے والے عزت پاتے ہیں اور اس کی نافرمانی کرنے والے ذلیل ہوتے ہیں، تو زمانہ مومنوں کے لیے فوائد کے حصول اور اعمال صالحہ کا ذریعہ ہے اور نافرمانوں اور اللہ کے حکم سے منہ موڑنے والوں کے لیے بدبختی کا سامان ہے۔

کچھ دوسرے لوگوں کا موقف ہے کہ یہاں ''العصر'' سے مراد عصر کی نماز کا وقت ہے، بعض مفسرین کا موقف یہ ہے کہ یہاں العصر کا معنی یہ ہے کہ زمانے کے رب کی قسم! ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد دن کی آخری ساعت ہے اور اس کے علاوہ بھی کئی اقوال ہیں لیکن صحت کے سب سے قریب پہلا قول ہے اس لیے کہ زمانہ ہی انسان کا اصل سرمایہ ہے، انسان کی عمر کا گذرا ہوا وقت کبھی لوٹ کر واپس نہیں آتا، انسان (موت کے بعد) دنیا میں واپس آنے کی تمنا کرے گا، لیکن افسوس.....

"قال رب ارجعون، لعلي أعمل صالحا فيما تركت كلا إنها كلمة هو قائلها ومن ورائهم برزخ إلى يوم يبعثون" (المؤمنون:۹۹-۱۰۰) بندہ کہے گا اے میرے رب! مجھے (دنیا میں) واپس لوٹا دے، شاید میں کچھ نیک عمل کروں جسے میں نے چھوڑ رکھا تھا، ہرگز نہیں! یہ تو محض ایک کلمہ ہے جسے وہ بول رہا ہے، ان کے پیچھے برزخ ہے اس دن تک جس دن وہ اٹھائے جائیں گے۔

عیسی مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں: "الليل والنهار خزانتان فانظروا ماذا تصنعون فيهما" رات اور دن دو خزانے ہیں، تم دیکھ لو کہ تم ان خزانوں کا کیا کر رہے ہو؟

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آج کا دن تمہارا مہمان ہے، یہ مہمان چلا جائے گا اور جاتے جاتے یا تو تمہاری مدح سرائی کرتا ہوا جائے گا یا مذمت کرتے ہوئے جائے گا۔

دھوکے میں ہے وہ شخص جس نے اپنی عمر ضائع کردی، نہ کوئی فائدہ اٹھایا یا نہ کوئی عمل صالح کرسکا، آپ ﷺ کا فرمان ہے: "كل الناس يغدو فبائع نفسه فمعتقها أو موبقها" تمام لوگ اپنے اپنے نفس کی تجارت کے لیے نکلتے ہیں، کوئی اسے آزاد کرالیتا ہے تو کوئی اسے ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔

مسلمان کے لیے کرنے کے کام یہ ہیں: قرآن اور علم نافع کو سیکھنا، مسجد حرام اور مسجد نبوی کی زیارت کرنا، عمرہ کی ادائیگی، صلہ رحمی، اچھے ہنر کو سیکھنا، جائز سفر اور تفریح کرنا، ٹی وی چینلوں اور انٹرنیٹ سے حتی الامکان دور رہنا، اور اس میں سے صرف نفع بخش چیزوں کو اختیار کرنا۔

''انسان'' سے کیا مقصود ہے؟

ایک قول یہ ہے کہ اس سے کافر مراد ہے، اور اس کی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ یہاں انسان سے مومنوں کو مستثنی قرار دیا گیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہاں انسان سے مراد ابوجہل ہے اور ایک قول یہ ہے کہ الانسان یہاں اسم جنس ہے، یعنی انسان کی جنس مراد ہے، یہی قول زیادہ درست ہے۔ لہذا لوگ سب کے سب خسارے اور گھاٹے میں ہیں سوائے ان کے جن میں چار خصلتیں اکٹھا ہوں: ۱- ایمان، ۲- عمل صالح، ۳- ایک دوسرے کو حق کی وصیت اور حق کی دعوت، ۴- صبر اور حق پر ثابت قدمی کی وصیت۔ یہ چاروں خصلتیں اس سورت مبارکہ میں جمع کردی گئی ہیں۔

ایمان کیا ہے؟

لغت میں ایمان پختہ تصدیق کو کہتے ہیں، اللہ کا فرمان ہے: "وما أنت بمؤمن لنا" (یوسف:۱۷)
(یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے ان سے کہا) آپ ہماری بات کا یقین نہ کریں گے۔

اہل سنت الجماعت کے نزدیک ایمان نام ہے زبان سے اقرار، دل سے تصدیق اور ارکان دین پر عمل کا۔

زبان سے اقرار: اس کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کی شہادت دی جائے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، یہ شہادت توحید کی تینوں قسموں کو شامل ہے جو یہ ہیں:

۱- توحید ربوبیت: اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو اس کے افعال جیسے پیدا کرنا، روزی دینا، زندہ کرنا اور موت دینا وغیرہ میں یکتا مانا جائے، اس توحید کا مشرکین بھی اقرار کرتے تھے، اللہ کا فرمان ہے:

"ولئن سألتهم من خلقهن ليقولن الله" (الزخرف:۸۶) (اے نبی!) اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا؟ تو ضروری یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔

توحید الوہیت: اس کا مطلب یہ ہے کہ بندوں کے افعال میں اللہ کو ایک جانا جائے (یعنی عبادت صرف اللہ کے لیے

کی جائے) جیسے ذبح کرنا، نذر ماننا، دعا کرنا، مدد طلب کرنا، انابت کرنا، ان تمام عبادات کے سلسلے میں کتاب وسنت کے دلائل مشہور ومعروف ہیں۔

توحید اسماء وصفات: اس کا مفہوم یہ ہے کہ ان تمام صفات کمال کو اللہ کے لیے ثابت کیا جائے جنہیں خود اللہ نے اپنے لیے ثابت کیا ہے یا رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کے لیے ثابت کیا ہے اس طرح کہ مخلوق کی مشابہت سے اللہ کو منزہ مانا جائے (یعنی مانا جائے کہ اللہ تعالی اپنی مخلوق کی مشابہت سے منزہ اور پاک ہے) اور جن چیزوں کی اللہ نے اپنی ذات سے نفی کی ہے یا رسول ﷺ نے اللہ سے نفی کی ہے ان تمام چیزوں کی اللہ کی ذات سے نفی کی جائے۔ اس لیے کہ اللہ کا فرمان ہے: "ليس كمثله شيء وهو السميع البصير" (الشوری:۱۱) اللہ کے مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

تصدیق بالجنان کا مطلب ہے دل سے تصدیق کرنا۔

عمل بالارکان کا مطلب ہے کہ اعضاء وجوارح سے عمل کیا جائے، لہذا عمل ایمان کا جزء ہے، اس سے الگ نہیں ہوسکتا۔ ایمان اطاعت کے کاموں سے بڑھتا بھی ہے اور نافرمانی کے کاموں سے گھٹتا بھی ہے، اللہ کی کتاب میں ایمان اور عمل صالح دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر ذکر کیا گیا ہے، اللہ فرماتا ہے: "وإذا تليت عليهم آياته زادتهم إيمانا" (الانفال:۲) ''جب اہل ایمان کے اوپر اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کے ایمان کو وہ آیات بڑھا دیتی ہیں، عمل تب تک صالح نہیں ہوسکتا جب تک وہ اچھا نہ ہو اور اچھا تب تک نہیں ہوسکتا جب تک اس میں دو شرطیں نہ پائی جائیں: ۱-عمل خالص اللہ کے لیے ہو۔ ۲-عمل اللہ کے رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے مطابق ہو۔ بعینہ یہی بات اللہ نے اپنے اس فرمان میں کہی ہے: "فمن كان يرجو لقاء ربه فليعمل عملا صالحا ولا يشرك بعبادة ربه أحدا" (الکہف:۱۱۰) ''جو اپنے رب سے ملاقات کا آرزومند ہو اسے چاہیے کہ عمل صالح کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے''۔

اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اتباع کی طلب وجستجو کی جائے اور بدعت سے بچا جائے اور اتباع تبھی ہوگی جب کتاب وسنت پر عمل کیا جائے اور جس عقیدہ وعمل پر اس امت کے سلف تھے انہیں اپنایا جائے اور جن زمانوں کے بہتر ہونے کی شہادت نبی ﷺ نے دی ہے ان زمانوں ''خیر القرون'' کی اتباع کی جائے، نبی ﷺ کا فرمان ہے: "خير الناس قرني ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم" سب سے بہتر لوگ میرے زمانے کے ہیں، پھر وہ لوگ جو ان سے قریب ہوں گے، پھر وہ لوگ جو ان سے قریب ہوں گے۔ نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے: "عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدي، عضوا عليها بالنواجذ وإياكم ومحدثات الامور" میری سنت کو لازم پکڑلو اور میرے

بعد خلفاء راشدین جو ہدایت یافتہ ہوں ان کی سنت کو بھی لازم پکڑلو، اسے داڑھ سے مضبوطی سے تھام لو اور دین میں نکالے گئے نئے نئے کاموں سے بچو۔

''ابتداع'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا قرب ایسے اعمال سے حاصل کرنے کی کوشش کی جائے جو نہ کتاب میں وارد ہیں نہ سنت رسول اللہ میں اور نہ ہی صحابہ نے انہیں کیا ہو، جیسے بہت ساری بدعتیں جو اس زمانے میں لوگوں نے ایجاد کر رکھی ہیں۔ اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا: "كل بدعة ضلالة، وكل ضلالة في النار" ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہیہ کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: "من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد" جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس کا حکم ہم نے نہیں دیا تھا تو وہ عمل مردود ہے''۔

وتواصوا بالحق (اور ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرتے رہے):

حق باطل کی ضد ہے، جو کچھ اللہ کی جانب سے ہے وہ سب حق ہے اور جو کچھ اللہ کی شریعت کے مخالف ہے وہ سب باطل ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وقل جاء الحق وزهق الباطل" (الاسراء: ۸) آپ کہہ دیجئے حق آ گیا اور باطل سرنگوں ہو گیا۔ پس مقصود یہ ہے کہ اللہ کی طرف دعوت دی جائے، اس کی شریعت کی تبلیغ کی جائے، نیکی کا حکم دیا جائے اور برائی سے روکا جائے، یہ ذمہ داری اس امت کی ہے دیگر امتوں کی نہیں، اللہ فرماتا ہے: "كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله" (آل عمران: ۱۱۰) تم بہترین امت ہو، لوگوں کے لیے نکالے گئے ہو، نیکیوں کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

پچھلی امتوں میں دعوت کی ذمہ داری انبیاء کے ساتھ مشروط تھی، جب اللہ نے محمد ﷺ کو خاتم الانبیاء بنا کر بھیجا تو یہ ناگزیر تھا کہ آپ کے بعد دعوت کا کام جاری رہے، کیونکہ آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے جو ساری امت کے لیے دعوت کی اس ذمہ داری کو اٹھالے، لہذا اب خاص طور پر دعوت کا فریضہ علماء اور امراء کے ذمہ ہے، اس لیے کہ اللہ کا فرمان ہے: "ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر" (آل عمران: ۱۰۴) تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی دعوت دے، نیکیوں کا حکم دے اور برائی سے روکے۔ نیز اللہ کا فرمان ہے: "وما كان المؤمنون لينفروا كافة فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم إذا رجعوا إليهم لعلهم يحذرون" (التوبہ: ۱۲۲) ''ایسا نہیں کہ تمام مومنین نکل پڑتے بلکہ ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر فریق میں سے ایک گروہ نکلتا تا کہ دین کی سمجھ حاصل کرے اور اپنی قوم کی طرف واپس لوٹ کر انہیں ڈرائے، تا کہ قوم کے لوگ (اللہ کی نافرمانی سے) بچیں''۔

تواصی اجتماعی شرکت کو کہتے ہیں، یہ کسی ایک جانب سے نہیں ہوتی، باپ اپنی اولاد کو وصیت کرتا ہے، ماں اپنے بیٹوں کو وصیت کرتی ہے، استاذ شاگردوں کو وصیت کرتا ہے، حاکم رعایا کو وصیت کرتا ہے، عورت خواتین میں وصیت کرتی ہے، ایک عالم عوام کو وصیت کرتا ہے۔ اس طرح سب ایک دوسرے کو ایمان اور عمل صالح کی وصیت کرتے ہیں اور ہر ایک حق کی دعوت دیتا ہے اور اپنے مقدور بھر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کام انجام دیتا ہے۔

وتواصوا بالصبر ''اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کرتے رہے'':

چونکہ دعوت الی اللہ اور امر بالمعروف والنہی عن المنکر کا راستہ بہت سخت اور تکلیفوں سے گھرا ہوا ہے، یہ راستہ پھولوں کی سیج نہیں ہے، اس لیے دعوت الی اللہ کی راہ پر چلنے والے تمام لوگوں کے لیے لازم ہے کہ وہ صبر کا دامن تھامے رہیں اور ہر زمانے میں صبر کرنے والے انبیاء اور دعاۃ کو مشعل راہ بنائیں۔ حضرت علی بن ابی طالب کہتے ہیں: دین میں صبر کا وہی مقام ہے جو جسم میں سر کا ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں: ہم نے سب سے اچھی چیز صبر کو پایا ہے۔

انبیاء کرام کو مختلف قسم کی اذیتیں، دھمکیاں اور تکلیفیں دی گئیں اور یہ سلسلہ حضرت نوح علیہ السلام سے شروع ہو کر محمد ﷺ پر اختتام پذیر ہوا جنہیں اللہ نے یہ کہہ کر تسلی دی کہ فاصبر كما صبر أولو العزم من الرسل (الاحقاف:۳۵) آپ صبر کیجئے جیسے اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا۔ ان انبیاء کرام نے ہمارے لیے صبر، حق پر ثابت قدمی اور اللہ کی راہ میں اور اس کی رضا کی طلب کے لیے مصائب کو برداشت کرنے کے سلسلے میں اعلی ترین مثال قائم کی اور یہ سب اس لیے کیا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور کافروں کا کلمہ پست ہو۔ اللہ سبحانہ نے صبر کرنے والوں کا بدلہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: "إنما يوفى الصابرون أجرهم بغير حساب" (الزمر:۱۰) ''صبر کرنے والوں کو بغیر کسی حساب کے ان کا اجر پورا پورا دیا جائے گا''۔ اصحاب رسول نے بھی دعوت اسلامی کی نشر واشاعت کے لیے مختلف قسم کی تکلیفیں سہیں، جیسے حضرت خباب، حضرت بلال، حضرت یاسر اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہم وغیرہ۔ سلف کی تاریخ قربانیوں اور صبر کی داستان سے بھری پڑی ہے، اگر یہ لوگ صبر نہ کرتے اور جہاد نہ کرتے تو زمین میں اللہ کا دین قائم نہ ہو پاتا، ہمارا وجود خود ان کی اس نیکی کا مرہون ہے۔ آج اسلام کے دعاۃ کو چاہیے کہ وہ صبر اور ثابت قدمی کو اپنا شعار بنائیں۔ اللہ کی مدد عنقریب آئے گی۔ بہتر انجام متقیوں ہی کا ہے اور تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کو سزاوار ہیں۔

☆☆☆

اردو زبان کا تیا پانچہ
بامحاورہ زبان سے بے قاعدہ بول چال تک

سہیل انجم، نئی دہلی

اردو زبان کے تعلق سے موجودہ حوصلہ شکن ماحول میں بھی اگر کوئی اخبار یا رسالہ کسی مترجم کے لیے اشتہار شائع کرتا ہے تو کہتا ہے ''ضرورت ہے ایسے مترجم کی جو اردو میں بامحاورہ ترجمہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو''۔ گویا اچھی زبان وہی ہوتی ہے جو بامحاورہ لکھی اور بولی جائے۔ اگر کوئی پوچھے کہ یہ بامحاورہ زبان کیا ہے تو اس کا جواب بہت آسان ہے۔ یعنی ایک ایسی زبان جس میں مفہوم کی ادائیگی میں محاوروں کا استعمال کیا جائے۔ مثال کے طور پر اگر کسی پروڈکٹ کے خریدنے پر دوہرا فائدہ ہو رہا ہو تو کہیں گے کہ یہ تو آم کے آم گٹھلیوں کے دام والا معاملہ ہے۔ یا پھر اگر کسی سے کوئی بات جاننے کی کوشش کی جائے اور وہ شخص بولنے کے لیے تیار نہ ہو تو کہیں گے کہ اس نے تو اپنے ہونٹ سی لیے ہیں۔ حالانکہ نہ کوئی اپنے ہونٹ سیتا ہے اور نہ ہی یہ قابل عمل ہے۔ جب خلاف توقع کوئی شخص کسی بڑی دشواری میں پھنس جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ جبکہ زمین کہیں نہیں جاتی وہیں رہتی مگر دشواری کی شدت کو ظاہر کرنے کے لیے ایسا کہا جاتا ہے۔ اس کی دوسری بہت سی مثالیں بھی پیش کی جاسکتی ہیں۔ جیسے کہ معروف شاعر، ادیب اور صحافی حسن کمال نے ۳ مئی ۲۰۱۴ کو روزنامہ راشٹریہ سہارا میں شائع اپنے کالم میں دہلی انتخابات میں عام آدمی پارٹی کی کارکردگی کے بارے میں ایک جملہ لکھا ہے کہ ''میڈیا کے جغادریوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ عام آدمی پارٹی صرف کانگریس کا نہیں بی جے پی کا بھی ''دھڑن تختہ'' کر ڈالے گی''۔ اس قسم کی زبان مؤثر بھی ہوتی ہے اور خوبصورت بھی۔ وہ جہاں پڑھنے اور سننے میں لطف دیتی ہے وہیں مفہوم کی ادائیگی میں بھی بڑی تاثیر رکھتی ہے۔

ایک زمانہ تھا جب بامحاورہ زبان ہی چلتی تھی۔ ایک سے ایک صاحب طرز ادیب اور صحافی پیدا ہوتے تھے۔ لیکن آزادی کے بعد جس طرح ایک سازش کے تحت اردو زبان کو مٹانے کی مہم چلائی گئی اس نے واقعتاً اس زبان کو بے پناہ نقصان پہنچایا ہے۔ آج اردو کے صحافی ہوں یا اساتذہ غلط اردو بولنے اور لکھنے میں انھیں کوئی عار نہیں ہے۔ حالانکہ زبان کی درستگی کے معاملے میں انہی دونوں پر سب سے زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ لیکن یہی دونوں اس زبان کے بگاڑ کے زیادہ ذمہ دار ہیں۔ اگر کوئی شخص کوئی نئی زبان سیکھنا چاہتا ہے تو اس کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ اس زبان کا اخبار پڑھے۔ اس کی کم از کم دو وجہیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اخبار میں آسان، عام فہم اور سلیس زبان استعمال ہوتی ہے اور دوسرے یہ کہ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اخبار میں کام کرنے والے اس زبان کی باریکیوں اور نزاکتوں سے کما حقہ واقف ہوتے ہیں۔ جہاں تک اردو اساتذہ کی بات ہے تو یونیورسٹیوں اور کالجوں میں زبان کی تاریخ کے ساتھ ساتھ ادب پڑھانے والے اساتذہ مذکورہ زبان کے عالم اور ماہر ہوتے ہیں اور ان سے یہ توقع ہوتی ہے کہ وہ جو کچھ بھی پڑھائیں گے درست پڑھائیں گے اور طلبہ کو زبان و ادب کی تمام

باریکیوں سے اس طرح واقف کرائیں گے کہ وہ درست زبان کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیں۔

لیکن اگر ہم موجودہ عہد میں ان دونوں شعبوں کا جائزہ لیں تو پائیں گے کہ صورت حال مایوس کن ہے۔ایک بار اردو کے ایک بڑے اخبار کے ایک سینئر صحافی سے راقم الحروف نے پوچھا کہ آپ کا اخبار تو بند ہو گیا اب آپ اردو کا کون سا اخبار خریدتے اور پڑھتے ہیں؟ انھوں نے ایسا جواب دیا جو پہلے تو بہت برا لگا مگر بعد میں وہ صحیح لگنے لگا۔انھوں نے کہا کہ میں اس وقت کوئی اردو اخبار نہیں خریدتا۔ میں نے کہا کہ زندگی بھر آپ اردو کی روٹی توڑتے رہے اور اب اردو اخبار ہی نہیں پڑھتے۔ انھوں نے جھنجھلاتے ہوئے کہا کہ ارے بھائی ان اخباروں کو پڑھ کر کون اپنی زبان خراب کرے گا۔اگر چہ یہ ایک بہت انتہا پسندانہ، مایوس کن اور الزامی جملہ ہے لیکن کسی نہ کسی حد تک حقیقت کے قریب بھی ہے۔

اگر ہم دہلی کے اخباروں کی بات کریں تو بعض اوقات بڑی کوفت ہوتی ہے۔ ہندی کے اخبار یا ہندی کے نیوز چینل غلط اردو استعمال کریں تو بات سمجھ میں آتی ہے لیکن اردو کے صحافی جب غلط زبان لکھتے ہیں تو تکلیف ہوتی ہے۔ چند مثالیں دینا چاہوں گا۔آجکل اخباروں میں ''رحمِ مادر'' کو عام طور پر ''مادرِ رحم'' لکھا جا رہا ہے اور دھڑلے سے لکھا جا رہا ہے۔ یہ کسی ایک اخبار کا معاملہ نہیں ہے۔راقم نے کئی اخباروں میں اسی طرح لکھتے ہوئے دیکھا ہے۔ایک روزنامہ اخبار میں صفحہ اول پر کسی اہم شخصیت کے انتقال کی خبر شائع ہوئی۔خبر میں لکھا گیا کہ ''انھیں مختلف بیماریوں کے امراض کے تحت اسپتال میں داخل کرایا گیا تھا''۔ یہ تو بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہ بقول اسیم کاویانی ''لب دریا کے کنارے کا ساحل''۔اضافت لگانے کا یہ سلسلہ اگر یوں ہی دراز ہوتا رہا تو ''شب برات کی رات'' اور ''آب زم زم کا پانی'' جیسی ترکیبیں بھی شرم سے پانی پانی ہو جائیں گی۔ انہی اخباروں میں کبھی کبھی ''میدانِ جنگ'' کو ''جنگِ میدان'' بھی بنا دیا جاتا ہے۔ایک بڑے روزنامہ اخبار کے رپورٹر نے اپنی رپورٹ میں لکھا ''اس بات کا یقینی شبہ ہے''۔یعنی شبہ اپنی جگہ پر کافی نہیں تھا،اس میں بھی یقین ٹھونس دیا گیا۔اسی اخبار میں ایک صحافی کی گرفتاری کو اس کے رہا ہو جانے کے بعد بھی ''مبینہ گرفتاری'' لکھا جاتا رہا۔ گویا لفظ مبینہ کہاں اور کیسے استعمال ہوگا اس بارے میں رپورٹر کو پتا نہیں۔ایک بار ایک یونیورسٹی میں مرثیہ پر ایک سمینار ہوا۔ایک اخبار میں اس تعلق سے شائع ہونے والی رپورٹ کی سرخی تھی ''رسائی ادب پر سمینار''۔س والے رسائی اور ث والے رسائی میں گویا کوئی فرق نہیں ہے۔مشکل الفاظ کا بگڑنا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن جب آسان الفاظ بھی بگاڑ کر غلط طریقے سے لکھے جائیں تو پھر کیا کہا جائے۔ایک اخبار میں پانی کی نکاسی کے لیے سڑک کے کنارے بنائی جانے والی ''جالی'' کو ''جعلی'' لکھا گیا۔ گویا اس قاعدہ کے مطابق ''جعلی ڈاکٹر'' کو ''جالی ڈاکٹر'' کہا جائے گا۔لفظ صحیح کو بھی بعض اوقات غلط کر کے ''سہی'' لکھا جاتا ہے اور آڈیٹوریم کے معنی والے ''ہال'' کو ''حال'' کر دیا جاتا ہے۔ایک روزنامہ اخبار میں دہشت گردی سے متعلق ایک خبر میں جسٹس عقیل رضوی کو جسٹس اکھل رضوی لکھا گیا۔شائد یہ خبر ہندی سے ہوتے ہوئے اردو میں آئی ہوگی۔اسی لیے عقیل صاحب اکھل صاحب ہو گئے۔ بالکل اسی طرح جس طرح ''چاند خاں'' مختلف ملکوں کا سفر کرتے کرتے چ کے جیم اور جیم کے گاف میں بدلتے بدلتے مضحکہ خیز نام میں تبدیل ہو گئے۔

ہمارے بعض اخبارات دوسری زبانوں کے الفاظ کو استعمال کرنے میں اپنی فیاضی دکھاتے ہوئے پورا کا پورا جملہ دوسری زبان کا لکھ دیتے ہیں۔ کسی دوسری زبان کے الفاظ کو اپنی زبان میں استعمال کرنا معیوب نہیں لیکن یہ استعمال احسن طریقے سے ہونا چاہیے بھونڈے طریقے سے نہیں۔ دوسری زبانوں کے الفاظ کو حسن کاری کے ساتھ اور برمحل استعمال کرنے سے کبھی کبھار جو حسن پیدا ہوتا ہے وہ اپنی زبان کا لفظ بھی پیدا نہیں کر پاتا۔ سرسید نے اس فن کو دوسری زبانوں کے الفاظ کو اردو زبان میں پچی کاری قرار دیا ہے۔ لیکن دیکھا گیا ہے کہ دوسری زبان کے لفظ کو اس لیے جوں کا توں رکھ دیا جاتا ہے کہ مترجم یا خبرنویس کو اس لفظ کا متبادل معلوم نہیں ہوتا۔ حالانکہ اگر وہ تھوڑی سی مشقت کرے تو متبادل سامنے موجود ہوتا ہے۔ ایک شہر میں فساد کے بعد کرفیو لگ گیا اور انتظامیہ نے دیکھتے ہی گولی مار دینے کا حکوم صادر کر دیا۔ ہندی کے ایک بڑے روزنامہ اخبار نے شہ سرخی لگائی ''فسادیوں کو دیکھتے ہی گولی مار دینے کا حکم''۔ لیکن دہلی کے ایک بڑے اردو اخبار نے اس جملے کو یوں لکھا ''شوٹ ایٹ سائٹ کا آرڈر''۔ گویا اردو میں دیکھتے ہی گولی مار دینے کا وہ اثر فسادیوں پر نہیں ہوگا جو شوٹ کرنے کا ہوگا۔ پہلے اخبارات کے دفاتر میں اصطلاح سازی کا عمل بھی ساتھ ساتھ چلتا تھا۔ مگر اب یہ سلسلہ تقریباً بند سا ہو گیا ہے۔ پرانی اصطلاحیں تو استعمال ہی نہیں ہوتیں یا ان کے استعمال کا سلیقہ ہی نہیں ہے تو پھر نئی اصطلاحیں کہاں سے بنائی جائیں گی۔ جب انگریزی اور ہندی کے مشکل الفاظ کا ترجمہ نہیں کیا جاتا انھیں جوں کا توں رکھ دیا جاتا ہے تو پھر اصطلاحوں کا معاملہ تو کافی پیچیدہ ہے۔ حالانکہ اردو صحافیوں کو اپنی زبان کو صیقل کرنے کے لیے جہاں زبان کی اغلاط کو درست کرنے کی کوشش کرنی چاہیے وہیں اصطلاحات کے بارے میں بھی باخبر ہونا چاہیے۔

جب زبان زوال پذیر ہوتی ہے تو ہر سطح پر ہوتی ہے۔ بعض اردو اساتذہ بھی اس سے محفوظ نہیں ہیں۔ بعض اوقات تو ان سے بھی ایسی فاش غلطیاں ہوتی ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ ایک پروگرام کے دوران ایک پروفیسر صاحب علامہ اقبال پر تقریر کر رہے تھے۔ انھوں نے بولتے بولتے کہا کہ ''علامہ اقبال نے جو خامہ فُرسائی کی ہے''۔ حالانکہ صحیح لفظ خامہ فَرسائی ہے۔ فرسائی فرسودہ سے بنا ہے جس کا مطلب ہے گھسا پٹا۔ کہا جاتا ہے کہ ''یہ موضوع بہت فرسودہ ہو گیا ہے'' یعنی گھسا پٹا ہو گیا ہے۔ اسی طرح خامہ فرسائی کا مطلب ہوتا ہے قلم گھسنا۔ یہ لفظ عام طور پر اپنے بارے میں خاکساری وانکساری کے اظہار کے طور پر بولا جاتا ہے۔ یعنی میں نے کام کیا کیا ہے بس قلم گھسا ہے۔ لیکن پروفیسر مذکور نے اسے علامہ اقبال پر فٹ کر دیا اور وہ بھی غلط طریقے سے۔ ایک دوسرے پروفیسر صحت کے موضوع پر اپنی تقریر میں ''حفظانِ صحت'' کو بار بار ''حفظانُ صحت'' بول رہے تھے۔ ''آغاز شروع ہونا'' تو اب عام ہو گیا ہے۔ کم پڑھے لکھے لوگ ایسا لکھتے ہی ہیں تعلیم یافتہ افراد بھی بعض اوقات اسی طرح گفتگو کرتے ہیں۔ اس وقت کوئی تعجب نہیں ہوگا جب اردو کا کوئی استاد بھی کہے یا لکھے کہ ''فلاں کام کا آغاز شروع ہو گیا ہے''۔ چلیے یہ تو دیکھ لیا کہ آغاز شروع ہو گیا ہے اب یہ دیکھنا رہ گیا ہے کہ اختتام کب ختم ہوگا۔ اردو کے ایک معروف کالم نگار جو خیر سے خود کو دانشور بھی سمجھتے ہیں ایک سمینار میں مقالہ پڑھتے پڑھتے خوب دلچسپ غلطی کر بیٹھے۔ انھوں نے کچھ شخصیات کے نام لیتے

ہوئے کہا کہ ''اس میدان میں جن لوگوں کی خدمات ہیں ان کے نام نوش فرمائیں''۔شائد انھوں نے گوش فرمائیں کہا ہو جو میں نے نوش فرمائیں سن لیا۔خاکسار نے ان سمیت کئی اردو قلمکاروں کو ''استفادہ حاصل کرنا'' بولتے ہوئے سنا ہے۔ہندی والے جس طرح اردو زبان کے بعض مشکل الفاظ کو آسان بنانے کے چکر میں ان کا تیا پانچہ کر دیتے ہیں اسی طرح ہم بھی کرنے لگتے ہیں۔ایک لفظ ''حواس باختہ'' ہے۔باختہ کا مطلب ہے ہارا ہوا۔حواس باختہ کا مطلب ہوا ہوش وحواس ہار جانے والا یا کھو دینے والا۔ہندی والوں نے پہلے اسے ''حواس فاختہ'' کیا اور اس کے بعد ''ہوش فاختہ'' کر دیا۔گویا خلیل خاں کی فاختہ کی مانند ہوش اڑ گئے۔اگر ہندی والے حواس باختہ ہونے کو ''ہوش فاختہ ہونا'' لکھیں تو قابل معافی ہے۔لیکن اگر اردو والے بھی حواس فاختہ کہیں تو معافی کے قابل نہیں۔

یہ کچھ مثالیں تھیں جو پیش کی گئیں۔ورنہ اگر یہ کہا جائے کہ آوا کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے تو شائد غلط نہیں ہوگا۔جب زبان کا زوال ہوتا ہے تو ادب کے پروان چڑھنے کے باوجود زبان کا معیار پست ہوتا رہتا ہے۔آج اردو ادب مائل بہ ترقی ہے مگر وہ ادیب پیدا ہونا آج بند ہو گئے جو پہلے کبھی ہوا کرتے تھے اور جن کے دم سے اردو زبان کا ادبی سرمایہ مالا مال ہوتا رہا ہے۔اردو کے کیسے کیسے صاحب طرز ادیب پیدا ہوئے ہیں۔اور یہ کوئی زیادہ پرانی بات نہیں۔ہندوستان کو آزاد ہوئے ابھی تو ایک صدی بھی نہیں گزری مگر اردو پر اس کے زوال کی جیسے کئی صدیاں گزر گئیں۔چلیے مولوی محمد حسین آزاد پیدا نہ ہوں نہ سہی، کوئی ڈپٹی نذیر احمد سامنے نہ آئے تو کوئی بات نہیں، علامہ راشد الخیری کا دوبارہ جنم نہ ہو تو بھی قابل برداشت ہے، مولانا ابوالکلام آزاد دکھائی نہ دیں تو بھی فکر کی کوئی بات نہیں۔مگر اب ملا واحدی کیوں پیدا نہیں ہوتے۔مولانا عبدالماجد دریابادی کہاں چلے گئے۔خواجہ حسن نظامی کہاں غائب ہو گئے۔شاہد احمد دہلوی کہاں روپوش گئے۔علی ہذا القیاس عام فہم زبان میں انتہائی مؤثر اور میٹھی زبان لکھنے والے ادیبوں کا کیوں ٹوٹا ہو گیا۔

اس مضمون میں جن اغلاط کی نشاندہی کی گئی ہے وہ محض چند مثالیں ہیں جسے مشکل زبان میں مشتِ از خروارے کہیں گے۔ورنہ اگر اس قسم کی اغلاط کی فہرست سازی کی جائے تو وہ طولِ شبِ ہجراں سے مختصر نہیں ہوگی۔اگر کوئی شخص دہلی کے صرف پانچ بڑے روزنامہ اخباروں کا ایک ماہ تک بالاستیعاب مطالعہ کر کے غلطیوں کی نشاندہی کر دے اور سمیناروں کے سیزن میں ادیبوں اور صحافیوں کے ایک درجن سمیناروں کی تمام نشستوں میں شرکت کر لے تو ''اغلاط نامہ'' نام کا ایک کتابچہ تیار کیا جا سکتا ہے۔کسی بھی زبان کی اپنی گرامر ہوتی ہے اور درست زبان لکھنے کا قاعدہ ہوتا ہے۔درست اردو لکھنے کا بھی قاعدہ موجود ہے۔مگر آج اس زبان کے بولنے اور لکھنے والوں پر بے قاعدگی مسلط ہو گئی ہے۔آج غلط اردو لکھنے کے سلسلے میں جو آپا دھاپی ہے وہ بالکل کسی ایسے مصروف چوراہے جیسی ہے جہاں کی ریڈ لائٹ خراب ہو گئی ہو اور راہ گیر آگے نکل جانے کی جدوجہد میں ایک دوسرے کو کچلتے ہوئے بعجلت تمام دائیں بائیں سے بھاگنے کی کوشش کر رہے ہوں۔

☆☆ (بشکریہ: روزنامہ راشٹریہ سہارا دہلی)

ہندوستانی جمہوریت، مذہب اور جدید منشیات

سعد احمد/ ریسرچ اسکالر اسکول آف ویسٹ ایشا، جے این یو، نئی دہلی

جمہوریت، مذہب اور دوسری نشہ آور چیزیں صرف ایک مادی دنیا کی کہانی ہیں یا ان کے پرے بھی کوئی چیز ہے، اس کی گہرائی میں جاتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ خیالات برگشتہ ہیں، رجحانات متذبذب، عقلیت کے خلاباز وں کی منطق مدھم، شکستہ ہے۔ جی ہاں ہم جس فکری ماحول میں اپنے شعور کو پروان چڑھا رہے ہیں وہ منجملہ نشہ پر محیط ہے۔ اول الذکر جمہوریت کا فسانہ اہم ترین ہے۔ اس لیے نہیں کہ یہ عوام کے لیے غیر متبادل طریقۂ حیات ہے، جس کے ذریعہ لوگ اپنے سیاسی شعور کو (ضروری یا غیر ضروری) بیدار رکھیں اور عمدہ زندگی جینے کے تصور سے محظوظ ہوتے رہیں۔ بلکہ جمہوریت کو ایک خیال، غیر معقول ترقی کی منطق یا ایک جاذب مگر نادیدہ نظریہ، رقیق قوت، تہذیبی یلغار، قومی ثقافتی یا دداشتوں سے انقطاع، ہوا خواہوں کی بھٹی کو مزید بھڑکانے والی اداریاتی فیکٹری کے طور پر بھی لیا جاسکتا ہے۔ ہندوستان میں بنیادی طور پر جمہوریت انھی افہام وتفہیم کی مرہون ہے جو کہ مغرب کی انفرادی حقوق کی ایک لمبی لڑائی کی شکل میں وجود میں آئی۔ بہر حال تعارفی طور پر ہندوستانی جمہوریت کو غیر جانبداری کے وہی اقدار حاصل ہیں جو کہ مغربی ممالک کو ہیں۔ یعنی Seculerism مگر موجودہ دنیا میں سیکولرازم کی تین بڑی مثالوں میں ہندوستانی جمہوریہ کو استثنائی حیثیت حاصل ہے۔ ان تین بڑی مثالوں میں اولاً Liberty, Equality, Faternity کا بانی ملک فرانس ہے، جہاں "Laicite" کا اختیاری سلوک مذہب کو یکسر منسوخ کر دیتا ہے۔ دوسرا ترکی جہاں سیکولرزم کے جارحانہ انداز نے عوام کے مذہبی جذبات کو کچلنے کی (ماضی میں) کوشش کی گئی ہے۔ لیکن ہندوستانی جمہوریت کا واضح equidistance نقطۂ نظر یعنی تمام مذاہب سے مساوی فاصلہ نے علمی دنیا کا ہمیشہ سے ہی دل جیتا ہے۔

ان حقیقی بنیادوں کے ساتھ ہی اگر ہم بیسویں صدی کے وسط اور اواخر پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ جہاں مغربی علمی طبقہ نے جمہوریت کو فلاحی حکومت سازی کے لیے واحد حل سمجھا۔ اور جیسے ہی اقتصادی بالخصوص بین الاقوامی سیاسی آرا نے جمہوریت کی حمایت شروع کی تو ایشیائی افریقی اور شرق وسطی کے ممالک میں اسے اپنانے کی مقابلہ آرائی کو قیام امن کے لیے تریاق بتایا گیا۔ بنابریں جمہوریت نے عوام کو ایک بہترین نظام سے منضبط کرنے کے علاوہ ایک قسم کے نشے کا احساس بھی دلایا۔ اور یہ نشہ عوام کو تاوان بنا کر اکثر ترقی کے نام پر پروان چڑھا۔ کبھی اس نے قومی تعمیریں کیں، تاریخیں اور ملکی خطوط کو عقل وخرد کے سیکولر لباس سے آراستہ کیا۔ بالخصوص سوویت یونین کے انتشار کے بعد دیگر ممالک میں جمہوریت کے جوبن کو دیکھنے کی بے پناہ خواہشات کو عملی جامہ پہنانے کی راہیں بھی ہموار کی گئیں۔ اس کی مثال مغربی ممالک کی عمدہ سڑکوں سے لے کر ایک جاروب کش کی عزت نفس کے اہتمام تک بنی۔ ہر غیر مغربی ملک یہی چاہتا کہ اس کا ملک بھی مغربی ممالک جیسا ہو۔ مثلاً ہندوستان ان تمام تر لوازمات سے لیس ہو گیا جو ایک ترقی یافتہ ملک کی بنیاد رکھتے ہیں مگر اس راہ میں ہندوستانی ذہن نے

اس چیز پر کم ہی توجہ دی جس نے مغرب کو مغرب بنایا۔ یعنی ذہنی ارتقا جس میں عزت نفس کی تمام صورتیں شامل ہیں۔ اس کے برعکس ہندوستان نے ذہنی تبویب پر زیادہ توجہ دی۔ لہٰذا جمہوریت ہندوستان میں بھی اسی افیونی نشہ کے طور پر آئی جس کے فکری اور اقتصادی ستون امریکہ اور یوروپ میں ایستادہ ہیں۔ جمہوریت کا ایک مشہور امریکی مفکر ''جان ڈیوی'' لکھتا ہے کہ جمہوریت کو کامیاب بنانے کے لیے عوام کو دیگر مشاغل میں مبتلا کرنا ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسا ہنر ہے جو برہمنی طاقت کی اصل اور چانکیہ نیتی کی مغربی تعبیر ہے۔

جب بات جمہوریت کی ہو رہی ہو تو یہ جان لینا ضروری ہے کہ جمہوریت جدیدیت کا فکری، نظری اور عملی ادارہ ہے۔ دونوں ہی سیکولرزم کی کیل پر آویزاں ہیں۔ مگر اس طرح کہ دونوں کا ایک دوسرے سے نادیدہ التزام ہے۔ جمہوریت میں سیاسی شعور کا حد سے زیادہ اہتمام کچھ بتاتا اور سمجھاتا ضرور ہے جو کہ ایک تہذیبی بالاتری کے ساتھ ساتھ تہذیبی فروتری کی کہانی سے بھی منسلک ہوسکتا ہے۔ بہرحال جمہوریت کی آغوش میں مذہب کے تجدیدی شعور کو تکثیریت اور کثیر التہذیب جیسے فرہنگی لہولعب سے بھی گذارا گیا۔ اس ضمن میں ۶۰ کی دہائی بھی اہم رہی۔ جسے عرف عام میں Decade of Resistance کے نام سے جانا گیا، یہ دور نشہ کو دوغلا کرنے کے لیے کاری رہا۔ یہ وہ وقت تھا جب جدیدیت کو نئے طرح کے فکری رجحانات نے ٹھینگا دکھانا شروع کیا۔ مابعد جدیدیت کی بحثوں نے بھی پرانے اور نئے دماغوں کو بوجھل کرنا شروع کیا۔ لاطینی امریکہ، افریقہ کے ممالک اور امریکہ میں بھی مذہبی رجحانات نے جمہوریت کے فکری خلاؤں میں جگہ بنانی شروع کی۔ ساتھ ہی عالم کاری کی بحثوں نے بھی ٹیکنالوجیکل ذرائع سے نئے مذہبی رجحانات کو ایک ستائشی Boost up دیا۔ مسلم دنیا میں حزب التحریر اور اخوانیوں کا پُرہنگم ولولہ نشہ کو خوب دوبالا کرتا رہا۔ بالخصوص ۸۰ کی دہائی میں افغان کی سنگلاخ پیٹھ سے سوویت یونین کی راہ فرار بعد ازیں انتشار، ایران کی انگشت بدنداں کر دینے والی ''ایرانی اسلامی تحریک'' عربوں کی باہمی کشمکش ''خود ساختہ وخود فہمیدہ عجیب عالمی سلفی گروپ'' نے عالم کاری کی بحثوں کو دوہرا فائدہ پہنچایا۔ اولاً امریکہ کا عروج بطور ایک Unilateral مافیا طاقت ہوا، ثانیاً اس نے عالم کاری اور دوسری بحثوں کو امریکیائی لذت والی بحثوں میں بدل دیا۔ مگر ہندوستان میں اس پورے عرصے میں مذہب کو لے کر نمائشی چہ مگوئیاں نہ ہوئیں۔ مسلمان دبیز قالین و پردوں کے خوبصورت پھندنے تھے جن کی تاریخ واقعی تاریخی تھی۔ یہی واحد فخر تھا جو انھیں گل سا شاداب رکھتا تھا۔ ہند میں موجودہ سیکولرزم کی کتاب میں چند سوکھے پھول پڑے تھے جو تقریباً ۲۰ ویں صدی کی تیسری دہائی میں رکھے گئے تھے۔ انھیں سیکولر منافرت، آر ایس ایس اور فاشسٹ وغیرہ کہتے ہیں۔ یہ پھول ایک مالی کی تلاش میں غیر مرئی طور پر اگتے اور سرسبز و شاداب ہوتے رہے۔ ان کے رگ و پے میں تعصب سرایت کر چکا تھا۔ ان کے سب سے بڑے مخالف بطور دشمن نہیں بلکہ بطور وجود صرف مسلم تھے۔ صرف اس لیے نہیں کہ وہ مسلم تھے، بلکہ ان کی تاریخی، تہذیبی اور ثقافتی پیوستگی کا احساس ان کی سوچ کو تیزابی بناتی تھی۔ اور یہ تیزابیت اس حد تک بڑھی کہ سیکولر آئین نے اس پر قدغن لگایا اور غیر سیاسی مجال ان کی قسمت ٹھہری۔ تیزابیت مختصر تو ہوسکتی ہے لیکن مدغم نہیں ہوتی (جیسا کہ

۱۹۶۰ میں جن سنگھ چھوٹے تاجروں کی پارٹی تھی)۔۱۹۸۰ میں ایک مذہبی سیاسی جماعت کے طور پر بھارتیہ جنتا پارٹی وجود میں آئی اور اس نے مسلم تاریخی پیوستگی کی مخالفت میں عوامی اور نمائشی شکل اختیار کی۔ لال کرشن ایڈوانی کی ہندی زبان کی سنسکرت کاری اور اسی طرح ملک ہندوستان کو ہندو راشٹر بنانے کی کرتب بازی میں بابری مسجد کو تاریخی خیانت کی پوری تگ و دو کی۔ اس طرح اس نے حساد، بغیض اور تنگ دل ارادوں کو اسی سیاسی شعور کے انحصار کے ذریعے سے مدد پہنچانے کی کوشش کی۔ جو عام طور سے جمہوریت نامی چیز میں وافر مقدار میں پائی جاتی ہے، یعنی (Sense of Political)۔

اس طور پر مذہبی جذبات کے اٹھائی گیروں نے دنیا کے بیشتر قریب و دور کے ممالک میں کم عقلی کم علمی اور مثبت بصیرت کے فقدان کی وجہ سے مذہب کی تعریف کو ہی بدل کر رکھ دیا، اور ریکشنری طریقۂ تفہیم کو ہی مرکزی مذہبی سمجھ قرار دیا۔ ہندوستان میں بھی یہی ہوا۔ کوئی بھی ماہر نفسیات ان کا جائزہ لے سکتا ہے کہ کیسے ریکشنری طریقۂ تفہیم کو اگر ہم زندگی کا لائحۂ عمل بنائیں گے تو نشہ اور جنون ہی ہمارے روزمرہ کے حواس پر طاری ہوں گے۔ یہی نہیں بلکہ ہمارے معاشرتی ہیئت کے بھی فیصل قرار دیے جائیں گے۔ مذہبی جذبات انسانوں کے دلوں سے ہوتے ہوئے اجتماعی طور سے ایسی ساخت اختیار کرنے لگے ہیں، گو مذہبی جذبات کے چھوٹے چھوٹے صوبے ہوں۔ جہاں ان کی پرہنگم، بدصورت لہجے والی بے معنی طریقۂ اختلاف کو نہایت غیر متزلزل ستون گردانا جاتا ہے۔ اور اپنے متعصب جذبات کو غالب کرنے کے لیے نت نئی تکنیک روزانہ اپنائی جاتی ہے۔

مذہب کا سیاسی لذت والا نشہ ہندوستان میں ۱۹۹۲ میں اقتصادی انفتاح کے بعد بے محابا ہوتا نظر آیا۔ اس نے ان تمام ذرائع کو استعمال کرنا شروع کیا جس کے ذریعے سے وہ اپنے مقصد کو بڑے پیمانے پر ریشنلائز کر سکیں۔ اس طرح اس نے کچھ طریقے انتہائی گیرائی سے اپنائے، ایک اسٹریٹجی بنائی اور اس پر عمل بھی کیا۔ یہی نہیں بلکہ کسی قدر مستشرقین والے انداز میں ایک تصوراتی سیاست کا دام پھینکا۔ جس میں ویژول کلچر کو بڑی کامیابی ملی۔ ہندوستان میں مسلمان خاص طور سے دیگر ذرائع ابلاغ کی تکنیک، مثلاً سیٹلائٹ، چینل اور اخبارات کے ذریعے سے حاشیے پر آتے گئے۔ ہندوستان میں اکثریت متوسط طبقے کی ہے اس وجہ سے ذرائع ابلاغ کی منجملہ چیزیں معاشرتی سوچ کا ایک حصہ قرار پائیں۔ عوام الناس انجانے طور پر معاشرتی لحاظ سے غیر ضروری چیزوں میں مبتلا ہوتے رہے۔ ان چیزوں کو بے جا طریقے سے استعمال کرنے والوں کو ریشنل کہا گیا۔ اس لیے کہ وہ ایسے ٹولز کو استعمال کرتے ہیں جو ریشنل معاشرہ یا تہذیب کا حصہ ہیں، یعنی کہ مغرب۔ بے کیفی کا مزہ اس سے اچھا کون بتا سکتا ہے جو اس میں خود مبتلا ہو۔ نشہ مزید نشہ کا بیوپاری ہوتا ہے لہٰذا ذرائع ابلاغ کے ذریعے سے حکومتی عمدگی کے علمی نعرے بے حد موثر ثابت ہوئے۔ اس لیے کہ یہ ایک عام زندگی کو ایک تیز طریقۂ ترقی سے جوڑ رہے تھے۔ تیزی سے ترقی کی راہ پر گامزن ملک کے لیے بھی یہ باتیں انتہائی ضروری تھیں۔ مگر ذرائع ابلاغ کا اتنے بڑے پیمانے پر عام کرنا بنا عوام کی اکثریت کی دیگر بنیادی ضروریات زندگی پر غور و خوص کیے ہوئے یقینی طور پر سماجی بے ربطی کی طرف ایک قدم تھا۔ اس تناظر کو بالخصوص انٹرنیٹ، لاسلکی مواصلاتی نظام اور سوشل نیٹ ورکنگ کے حوالے سے دیکھا جائے تو یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ معاشرتی حسیت کی سطح پر

ہندوستانی سماج کو بالغ ہونے کی کچھ ضرورت تھی؟ یا انھیں ایک منصوبہ بند طریقہ اپنایا جاتا جو انھیں ان کی بنیادی ضروریات سے آگاہ کرتا۔ اور ایک خاص معیار پر پہنچنے کے بعد انھیں ان ذرائع ابلاغ سے محظوظ ہونے کی خوب آزادی دی جاتی۔ اس کے برعکس اگر ہم ہندوستانی معاشرے پر اس پہلو سے غور کریں تو بالکل ابتدائی چیزوں کی واقفیت بھی انھیں اس معیار سے واقف کراتا ہے جس میں حقیقی دنیا ان پر اثر انداز ہوتی رہی ہے، یعنی مذہبی اور سیکولر محاذ آرائی، اور مذہب میں بھی انتہائی ہیبت ناک قسم کی احساس خودی جو بہت ہی کج رو، کج فہم اور بھیانک ہے۔

واضح طور سے یہاں ذکر کر دیا جائے کہ انٹرنیٹ بھی اسی دور کی پیداوار ہے جب روس کی شکست وریخت اور امریکہ کی بطور یک قطبی طاقت تاج پوشی ہوئی۔ ابتدائی دور میں انٹرنیٹ ایک دفاعی اور عسکری ذریعۂ کار تھا۔ پھر اس کی شروعات کے ساتھ دنیا انھیں چیزوں میں ملوث ہونے لگی جن میں امریکہ چاہتا۔ دوسرے ممالک مثلاً افریقی، ایشیائی اور مشرق وسطیٰ میں بھی یہ ایک ایسا آلۂ کار رہا جسے ہم عارضی اور اسلامی طور سے A Tool Of Engagement کہہ سکتے ہیں۔ اب اگر ہم ہندوستانی معاشرے کو دیکھیں تو سمجھ جائیں گے اور اس بات کا بخوبی اندازہ کر سکیں گے کہ یہ نشہ ہے یا نہیں۔ مثال کے طور پر ایک چھوٹی سی چیز کا ذکر کیا جاتا ہے جس کا ذکر کسی یوروپی مولف نے کیا ہے کہ ایک مرتبہ اسے سعودی عربیہ جانے کا اتفاق ہوا اور وہاں اس نے لوگوں کو گھڑیوں کے لیے دیوانہ دیکھا۔ یہ منظر دیکھ کر یورپی مولف نے کہا: گھڑیوں کی وافر مقدار تمھیں کبھی اس کی اہمیت کا اندازہ نہیں کرا پائے گی جس کی وجہ سے ''ہم'' اور ''تم'' میں ایک بہت بڑا فرق ہے۔ مواصلاتی اشیا کی وافر مقدار ایک قسم کی لت اور ہولناک نشے کے طور پر سامنے آتی ہے۔ ہندوستان کا تقریباً ہر تیسرا بچہ جو اچھے اسکول جاتا ہے وہ نو سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے اس قدر ویب سائٹ کا معائنہ کر چکا ہوتا ہے جتنا اس کے پاس الفاظ کا ذخیرہ بھی نہیں۔ تقریباً ہر دوسرے نوجوان سے لے کر ادھیڑ عمر سوشل نیٹ ورکنگ جیسی لت میں میں دیوانہ وار مبتلا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے بچے ہمارے بزرگوں سے جدید کھردری زبان میں بات کرتے ہیں (مثلاً Fuck, Shit, Hell وغیرہ)۔ اور خود کو خود کے سوچے ہوئے خود اعتمادی کے تختے پر متمکن دیکھتے ہیں۔ اس میں سب سے اہم اور مرکزی شئے خواہشات کی تبلیغ کاری ہے، اسے ہم Advertisment of Desire کہہ سکتے ہیں۔ خواہشات کی یہ تبلیغ مختلف شکل میں ویب سائٹس پر نمودار ہوتی ہے۔ اس میں Porn sites سے لے کر ڈیٹنگ اور فیشن کی تمام شکلیں شامل ہیں۔ خاص طور سے سوشل نیٹ ورکنگ سائٹ جہاں کسی تعارف کا آغاز سیاسی موضوعات پر گفت وشنید سے شروع ہوتی ہے اور کسی واہیات ہجو یہ پر ختم ہوتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ Social Connectedness یعنی مجازی سماجی رابطے کے احساس کے بعد ایک جنسی لبرلزم اور جنسی آزادی کا احساس انھیں پاگل کیے دیتا ہے۔ اور یہی امریکہ کی بین الاقوامی سیاسی اشتہا ہے جسے سوفٹ پاور کہتے ہیں۔ انٹرنیٹ کے اقتصاد کی ریڑھ کی ہڈی پوپ کلچر ہے جس میں porn سرفہرست ہے۔ ہندوستان میں ۳۷۷ کے دفعات کی بحثیں بھی اس کا ایک حصہ ہیں۔ وہ اس طرح کہ دنیا کی سب سے بڑی Porn Industry فلم انڈسٹری کی طرح نیویارک میں قائم ہے اور ایشیا

میں تھائی لینڈ میں۔ ہندوستان فواحش کے تاجروں کے لیے ایک منافع بخش سرزمین ہے۔اس لیے کہ یہاں آبادی بڑی اور متوسط طبقہ کثیر تعداد میں ہے۔اس ضمن میں ہندوستان میں عوامی اعتبار سے porn اور قحبہ گری ایک ممنوعہ شئے رہی ہے۔یہی نہیں ہندوستانی معاشرے میں ایک عرصہ تک بالی ووڈ میں شریف لڑکیوں کا جانا قابل قبول نہ تھا اور اس فعل کو اخلاقی برائی سے معنون کیا جاتا تھا۔اب جب کہ یہ رجحان کم ہوا تو فحش عناوین کو ہندوستان کے معاشرے کی روزمرہ کی گفتگو میں شامل کیا جانے لگا۔اس لیے کہ ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے جس میں مساوی حقوق سبھی کو ملنے چاہئے۔سنی لیون، بگ باس اور ایم ایم ایس اسکینڈل اس ضمن کی ایک کڑی ہیں۔بہرحال اب یہ نشہ ہر ایک کیسہ میں پایا جاتا ہے۔فواحش کی یہ نئی تہذیب مغرب کی سیکولر سوسائٹی کے لیے غنیمت تھی مگر ہندوستانی سیکولرزم تمام روایتی خیالات کی عزت کرتے ہوئے غیر جانبداری کا دعوے دار ہے۔ہندوستانی سیکولرزم کسی سیکولر سوسائٹی کو جوابدہ نہیں ہے۔بلکہ سیکولر قانون اور قانون سازی میں اپنی توجہ زیادہ صرف کرتا ہے۔اس لیے کہ ہندوستان میں سیکولر سوسائٹی کا کوئی سند یافتہ وجود نہیں ہے۔بلکہ ایک ابتدائی حکومت کے ذریعے سے شروع کیا ہوا مؤثر ذریعۂ تخاطب ہے..... معاشرہ اور حکومت کے درمیان..... تاکہ عوام الناس کے روایتی جذبات کو کسی قسم کے سیکولر جبر جیسا کہ فرانس، ترکی اور رضا شاہ کے ایران میں رہا ہے سے نہ گزرنا پڑے۔

ہندوستان میں پوپ کلچر کے ان اقسام کو اب معاشرتی شعور کی حیثیت حاصل ہونے لگی ہے۔یہ تمام باتیں جو اوپر ذکر کی گئیں تو استعماریت کی منطق کا عملی اسٹیج ہیں۔موجودہ منظرنامے میں جناب نریندر مودی جو کہ ہندوستان کے حقیقی وزیراعظم بن چکے ہیں کی حمایت میں استعماری طاقتوں نے زمین وآسمان کے قلابے ملا دیے۔جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ۱۹۹۸ میں ہندتو قومیت کے نعروں کو قوت بہم پہنچانے والا طبقہ متوسط طبقہ تھا۔یوگیندر یادو کے مطابق یہ طبقہ بی جے پی کا سوشل بلاک تھا۔یہی وہی طبقہ ہے جو ساختیاتی طور پر ہی خواب دیکھنے کا عادی ہے؛ اچھے دن کا خواب!!

ہندوستان میں یہ طبقہ جہاں مارکیٹ اوریینٹڈ اقتصادی پالیسیوں کے خواہاں تھا وہیں ایسی خارجہ پالیسی چاہتا تھا جو انھیں امریکیوں سے مزید قریب کرے۔دوسری طرف بی جے پی کی جڑیں ان جدید فکری چشموں سے ہوکر نکلتی ہے جو استبداد بے جا کے قائل ہیں، یعنی Authoritarianism۔اب اگر ہم علم سیاسیات کی اصطلاح میں بات کریں تو آسانی سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ بی جے پی کی فکری حمایت ایسی Presidential حکومت چاہتی ہے جو جبر واستبداد کی زبان سے بات کرتی ہو۔یہی نہیں بلکہ مختلف سیاسی پارٹیوں کی حکومت کو بھی ختم کرنا اس کے اصول میں شامل ہے (جیسا کہ ۱۹۹۶ میں ڈیس رائے چودھری میموریل لیکچر میں اٹل بہاری واجپئی نے اشارہ کیا تھا۔) تاکہ بیوروکریٹ اور ٹیکنوکریٹ کی ایک بہت بڑے لاٹ کو لانچ کیا جاسکے۔اس کا سب سے اہم فائدہ یہ ہوگا کہ ملک کی ترقی بڑھتی جائے گی۔بی جے پی اور اس کے ملحقہ رجحانات نے اسی شعور کو متوسط طبقے میں پیدا کرنے کی کوشش کی اور کامیاب رہے۔ہندوستانی سیاسی ہیئت کو نئے انداز میں بدلنے کے ارادے سننے میں کافی دلکش اور مثمر لگتے ہیں جو کہ یقینی طور پر اب عمل میں لائے جائیں گے۔

بہر حال یہ تو چند سیاسی نکات ہیں جو نئے ہندوستانی سیاسی رجحانات کو جلا بخشتے ہیں۔ بی جے پی میں نریندر مودی وہ شخص ہیں جنھوں نے ہندتو سیاست کو مودی منتر یا مودی نومکس کے ذریعے سے بپتسمہ دیا۔ عام انسان کو سیاست کے داؤ پیچ میں جذباتیت کی بنیاد پر دلچسپی لینے کے لیے رام کیا۔ عوام کو نو استعماری افیون میں بجھے ہوئے مذہبی تیر سے بے کل کیا، اور ہندوستان کے روزمرہ کے معاشرتی مسائل کو اپنے فکری ترکش کی مضبوطی کی یاددہانی کرا کے ایک سیاسی حل کے طور پر پیش کیا۔ یہی نہیں ''ایک بہتر کل'' یا ''اچھے دن'' کی امید والی سیاست کے ذریعے سے عوام الناس کو اپنا دیوانہ بنالیا۔ قاری اس بات سے بخوبی واقف ہوں گے کہ Growth اور Development جیسے نظریات غیر مغربی دنیا میں بالخصوص ایشیا میں مغربی ترتیب ہے، جو ہم تک پہنچتے پہنچتے بے ترتیب ہو جاتے ہیں۔ یعنی Growth اور Development جیسے نظریوں کی کوئی قومی، تہذیبی معیار سازی نہیں کی گئی۔ بلکہ استعماریت کی تمام درآمد کو ایک عالمی معیار پر پہنچانے کے لیے ملکی سیاست کو استعمال کیا گیا۔ اس طریقے سے عوام کو استعماریت کی بلی بنا دیا گیا۔ اس ضمن میں ہندوستان میں کانگریس ایسی سیاسی پارٹی رہی جس نے Macualay کے نصاب کو پکڑا، ملکی تعمیر جدید کاری اور سیکولر سازی کو معیار بنایا۔ اور تعلیم کی بنیادوں کو بالغ نظری کے جدید طریقۂ نظام سے بھی فیض پہنچایا۔ ان تمام اہم کاموں میں جو بات سب سے واضح نظر آتی ہے وہ ہے سیکولرزم کی بصیرت۔ ہندوستانی سیکولرزم کے تمام اوصاف کے ساتھ۔ اس کے بعد ظاہر ہے جب سیکولر کی زمین پر جذباتیت اور تنگ دلی کے کسان کھیتی کرنے لگیں تو پھر سیکولرزم میں وہ معنویت جو آئینی تھی بہر کیف ختم ہو جاتی ہے۔ ہندوستان میں کانگریس ایسے ماہرین اقتصادیات کو متعین کرتی اور بروے کار لاتی رہی جو ہندوستانی سیکولر اوصاف کے ستائشی ہی نہیں تھے بلکہ ان کی علمی و تحقیقی بنیادیں انھی اقدار پر منحصر تھیں۔ انھی میں سے ایک شخصیت ایسی رہی ہے جس نے ہندوستان کو سربلندی کا موقع فراہم کیا۔ میری مراد ''مرتیہ سین'' سے ہے۔ امرتیہ سین ہندوستانی عوام میں عدم مساوات، مذہبی تعصب، موت اور پیدائش کی شرحوں میں عدم توازن، حقوق انسانی کے مفکر اور مواقع کو مساوی طور پر بہم پہنچانے کے حقوق کے علمبردار ہیں۔ وہ ایک طرح سے کانگریس کے تمام تر اقتصادی پلان کی ریڑھ کی ہڈی ہیں۔ ان کے ہم منصب جاندریس اور شاگرد کوشک باسو اور دیگر ماہرین اقتصادیات ہیں۔ ان کے اہم ترین کارناموں میں فوڈ سیکورٹی بل، نریگا اور دیگر عوامی منصوبے ہیں۔ سین کے نزدیک عوام کو بنیادی حقوق مہیا کرانے کے ساتھ ان کی لیاقت بڑھانا حکومت کا اہم فرض ہے۔ اسی لیے ان کے ڈیولپمنٹ کا ماڈل ہمیشہ کیرلا رہا ہے۔ دوسری طرف مودی سرکار کی اقتصادی پالیسیاں جگدیش بھاگوتی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ ایک ہندنژاد امریکی ماہر اقتصاد اور کولمبیا یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں۔ یہی وہی جگدیش بھاگوتی ہیں جنھوں نے ہندوستان میں عالم کاری کی بحثوں اور انفتاح کی کامیابی میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ بنا بریں جہاں بھاگوتی بے لاگ فری مارکیٹ اور فری ٹریڈ تھیوری کے موید ہیں وہیں امرتیہ سین اس بات پر مصر ہیں کہ کیسے حکومت Human Capabilities کو بڑھائے۔ بھاگوتی کہتا ہے کہ ہندوستان کو اصلاح کی ضرورت ہے تاکہ Growth بڑھے۔ تجارتی اور دوسرے تمام بازاروں کو لبرلائز کیا جائے تو غریب طبقے کو زیادہ کام ملے گا۔ سین کا کہنا ہے کہ پبلک اسکیمز زیادہ اہم ہیں۔ تاکہ روزمرہ کے جینے کے معیار کو بہتر بنایا جائے۔ سین

Human Development Indicators کے بارے میں متفکر ہیں۔اسی لیے وہ جنوبی ہندوستان کو ایک ماڈل کے طور پر دیکھتے ہیں۔مگر بھاگوتی وہ شخص ہیں جو گجرات ماڈل کی بحثوں کو منظر عام پر لاتے ہیں۔ بھاگوتی اپنے دوسرے ہم منصب کولمبیا کے ہی پروفیسر اروند پنگاریا کی تائیدی علمی توسیعات کے ساتھ گجرات ماڈل کی کامیابی پر بضد ہیں۔ بہر حال بھاگوتی اور پنگاریا کے خیالات ایسے Growth سے متعلق ہیں جو ایک انسان کی آمدنی کو بڑھائے گا، نج کاری کے امکانات کو عام کرے گا اور شفافیت کے امکانات کا خاتمہ ہو جائے گا۔وہیں سین سماجی مسائل، عدم مساوات، سوءِ تغذیہ جیسے مسائل کے خاتمے کو صحت مند Growth سے جوڑتے ہیں۔

بہر حال موجودہ ہندوستان جس میں ہم سانس لے رہے ہیں اس کے اقتصادی رہنما بھاگوتی ہیں۔ان کا طریقۂ تفہیم اور ہندوستان کے اقتصاد کو مزید مضبوط کرنے کا خیال 'آزاد تجارت' پر مبنی ہے۔استعماریت کا نصاب جو بھاگوتی کی خواہش ہے اس میں ترقی تو ضرور ہوتی ہے مگر اس کے پس پردہ تخریبی سیاسی ارادوں کو بھی غذا ملنے لگتی ہے۔جیسا کہ ہم خود محسوس کرتے ہیں کہ ہم جس ترقی پذیر ماحول میں شعور کو پروان چڑھا رہے ہیں اس میں مذہبی تعصب کا بھی ایک خاطر خواہ حصہ بن رہا ہے۔ جیسا کہ بلوم تھامس ہانسن نے آر ایس ایس کے ''سودیشی فاشزم'' اور کولبرج نے Hindudom کے امکانات کی طرف جو اشارے کیے ہیں اسے روزمرہ کی زندگی میں بخوبی محسوس کیا جا سکتا ہے۔درج بالا اقتصادی پیرائے کے تعلق سے ہم جس نشہ کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں وہ 'اکثریت' کی سیاست کے علاوہ ایک Maximum Hindu Identity کی طرف اشارہ کرتا ہے۔اس کا مطلب صرف تعصب کو بڑھاوا دینا نہیں بلکہ ایک سیکولر تشخص کا متبادل بھی پیش کرنا ہے۔اس کے علاوہ استعماریت کی تباہیاں بالخصوص ہمارے مختلف المعیار معاشرہ میں لازمی ہیں۔گذشتہ سطور میں میڈیا، انٹرنیٹ اور سوشل نیٹ ورکنگ کے بارے میں جس قسم کی لت اور نشہ کے احساس کا ذکر کیا گیا ہے وہ اب ہماری سوچ کا لازمی جزو بن چکا ہے۔اس ضمن میں جناب نریندر مودی کی حکومت کی کفیل استعماری طاقتوں نے ہماری اس سوچ اور ہمارے ذرائع ابلاغ کے بے جا شغف سے فائدہ اٹھایا اور یہی نہیں بلکہ بالی ووڈ کی شخصیتوں کو بھی نئی حکومت کی تائید و تبلیغ میں ملوث کرتے رہے۔چوں کہ ہمارا متوسط طبقہ ٹی وی سیٹلائٹ چینلز اور اخبارات کا بھی دیوانہ وار شائق ہے لہٰذا ان کی بھی عمدہ طریقے سے ذہن سازی کی گئی۔ان افراد کے لیے بھی استعماریت کے ہرکاروں نے خوب زمین ہموار کی جو جنسی آزادی کے مارے ہیں۔

اس کے علاوہ ہندوستانی اکیڈمک کا ایک بڑا حصہ مودی کا عرصے سے موید رہا ہے۔مودی کے مخالفین نے مودی حکومت کی ترغیبات کو Crony capitalism سے تعبیر کیا۔ جہاں تک میرا ادراک ہے جس قسم کی استعماری تہذیب جناب مودی ہندوستان کی خیر خواہی میں پروان چڑھانا چاہتے ہیں اس میں اور حقیقی ہندوستانی معاشرے میں کافی تضاد ہے، یہاں ایک قسم کی Fetishism کا عنصر غالب ہے، جس کی انتہا جنون ہے۔جناب مودی کی کامیابی واقعتاً ہندتو کے لیے اہم ہے۔اس لیے کہ انہوں نے وہی طریقۂ کار اپنایا، جس کے ذریعہ یورپ نے اپنے مجہول تمدن کو تاریخ نیست و نابود کر دیا۔

☆☆☆

گود لینے سے متعلق سپریم کورٹ کا فیصلہ اسلام کی نظر میں

ہلال احمد ہدایت اللہ
فضیلت ثانی، جامعہ سلفیہ بنارس

ہندوستان کثیر اللسان وکثیر المذاہب ایک جمہوری ملک ہے لیکن جمہوری دستور میں کچھ ایسے عائلی قانون ہوتے ہیں جو مذہب کے مزاج سے میل نہیں کھاتے ہیں۔ چونکہ تمام مذاہب کو آئینی طور پر مذہب کی پیروی کرنے میں آزادی ہوتی ہے اس لیے مسلمان اپنے شرعی معاملات کو مسلم پرسنل لا بورڈ میں لے جاتے ہیں وہاں وہ شرعی عدالتیں موجود ہوتی ہیں جہاں ان کے عائلی مسائل مذہب کے مطابق حل کیے جاتے ہیں مسلمان ان مسائل میں شرعی فیصلوں کو سرآنکھوں پر رکھتے ہیں۔لیکن کبھی کبھار ایسے پیچیدہ مسائل آجاتے ہیں جو مغرب زدہ مسلمانوں کے پیدا کردہ ہوتے ہیں اور وہ اس معاملے میں شرعی قوانین پر ملکی قوانین کو ترجیح دیتے ہیں جیسا کہ سپریم کورٹ آف انڈیا نے گزشتہ ۱۹؍فروری کو معروف سماجی کارکن شبنم ہاشمی کی عرضی پر سماعت کرتے ہوئے مسلم پرسنل لا کے دلائل کو خارج کرتے ہوئے فیصلہ سنایا ہے کہ ''اگر مسلم فیملی کوئی بچہ گود لینا چاہتی ہے تو وہ اس کے لیے حقدار ہے، اور گود لیے گیے بچے کے درمیان اور گود لینے والے کے درمیان باپ بیٹے کا رشتہ ہوگا اور اس کی حیثیت ایک وارث جیسے ہوگی۔سپریم کورٹ کا یہ فیصلہ ۲۰۰۶ء میں بنائے گئے قانون تحفظ ونگہداشت اطفال (جونائل ایکٹ) کے تحت لیا گیا ہے''۔(روزنامہ انقلاب ۱۹فروری ۲۰۱۴ء) سپریم کورٹ کا یہ فیصلہ مسلم پرسنل لا سے ٹکراؤ پیدا کرتا ہے کیونکہ ابھی تک جو قانون تھا اس کے مطابق گود لیے گئے بچے کو وراثت کا حق حاصل نہیں تھا، اس کا حق کفالت تک محدود تھا، لیکن تازہ ترین فیصلے کے مطابق لے پالک کا حق حقیقی بیٹے کی طرح ہو جائے گا۔جیسا کہ اسلام سے پہلے اور ابتداء اسلام میں تھا۔حالیہ فیصلہ براہ راست اسلام اور بنیادی اصول میں مداخلت ہے جو کہ ناقابل قبول ہے۔بنیادی حقوق کو ہر حال میں ترجیح دی جائے گی اس لیے کہ وہ حتمی احکام ہیں اس میں تحریف کی گنجایش نہیں۔آئین ہند میں بنیادی حقوق دینے والے آرٹیکل ۲۵؍میں ہندوستان میں رہنے والے سبھی اقوام کے لوگوں کو مذہبی آزادی دی گئی ہے۔

۱۹۳۷ء میں بننے والے والے شریعت اپلی کیشن ایکٹ نے ہندوستان میں مسلم پرسنل لاء کو بنیاد فراہم کی، پھر دستور ہند ۲۵(۱) میں تمام اشخاص کو آزادئ ضمیر اور آزادی سے مذہب قبول کرنے، اس کی پیروی کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے کا مساوی حق دیا بشرطیکہ امن عامہ، اخلاق عامہ، صحت عامہ اور دیگر توضیعات متاثر نہ ہوں۔نیز دفعہ ۲۶ مذہبی امور کے خود انتظام کی آزادی کی دفعات نے مسلم پرسنل لا تحفظ کی ہندوستانی جمہوری آئین نے مکمل ضمانت دے دی۔لیکن بدقسمتی سے دستور کے رہنما اصول میں دفعہ ۴۴؍شہریوں کے یکساں سول کوڈ شامل کر کے مسلم پرسنل لاء پر ہمیشہ کے لیے تلوار لٹکا دی۔دستور

ساز اسمبلی میں مسلم نمائندوں کے بروقت اعتراض کے باوجود ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کے ریمارکس کی روشنی میں اسے نظر انداز کر دیا گیا۔

آزادی کے بعد اس وقت کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لعل نہرو اور خواتین ممبران پارلیمنٹ کے مطالبہ پر اور یکساں سول کوڈ نافذ کیا جائے، اور ہندو بل پاس ہو، بڑے شد مد سے مانگ کی گئی۔ لیکن اس وقت ہندو پرسنل لا بل کی شدید مخالفت کی گئی، بالآخر ۱۹۵۶ء میں پارلیمنٹ میں ''ہندو پرسنل لا بل'' کو منظوری دے دی گئی، اس میں ہندو میرج ایکٹ، وراثت ایکٹ، آرٹیکل ۴۴ تمام شہریوں کے لیے یکساں سول کوڈ نافذ کرنے کی کوشش پر مشتمل ہے۔ ۲۳ر نومبر ۱۹۶۴ء کو مہاراشٹر میں ایک مسلمان ایم ایل اے نے ایک سے زائد شادی پر پابندی عائد کرنے کا بل پیش کر کے یکساں سول کوڈ کے جنّ کو بوتل سے آزاد کر دیا۔ اس کے بعد پے در پے مسلم پرسنل لا پر حملے ہونے لگے، یکساں سول کوڈ کا فتنہ جاگ چکا تھا، مسلمان اس خطرے کو محسوس کر چکے تھے، اکابرین ملت اور دینی علماء فکرمند اور متحرک ہو چکے تھے۔ متبنی بل ۱۹۷۲ء (منہ بولا بیٹا کا وراثت میں حق جس کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں) نے مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کو متحد کر دیا، اس کے بعد مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام عمل میں آیا۔

۱۹۸۵ء کا مشہور شاہ بانو معاملہ: ۷۳ر سالہ شاہ بانو نے اپنے شوہر محمد احمد خاں جو کہ پیشہ سے وکیل تھے ان کے خلاف مدھیہ پردیش کی مقامی عدالت میں کیس درج کروایا۔ معاملہ یہ تھا کہ محمد احمد خاں نے شادی کے ۴۰ر سال بعد ان کو تین بار ایک ہی مجلس میں طلاق دے دی اور شریعت کے حکم کے مطابق نان ونفقہ میں ان کو کچھ نہیں دیا، تو شاہ بانو نے اس کو مقامی عدالت میں چیلنج کیا، اس معاملہ میں مدھیہ پردیش کے ایک جوڈیشل مجسٹریٹ نے ۱۹۷۹ء میں طلاق کے بعد نان ونفقہ دینے کا محمد احمد خاں کو ذمہ دار بنایا، اس معاملہ کی توثیق مدھیہ پردیش ہائی کورٹ نے بھی کر دی تھی۔ اس فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی گئی، سپریم کورٹ نے ۲۳ر اپریل ۱۹۸۵ء کو دفعہ ۱۲۵ر ''بیویوں، بچوں اور والدین کی دیکھ بھال'' کو بنیاد بنا کر فوجداری ضابطہ کے تحت فیصلہ سنایا کہ ''مطلقہ کو تا نکاح ثانی نان ونفقہ دینے کا پابند شوہر کو بنایا جائے اور بعض حالتوں میں تا عمر نان ونفقہ شوہر دے''۔ دراصل یہ فیصلہ مسلم پرسنل لا پر ہندو پرسنل لا کو غلبہ دینے کی ایک سوچی سمجھی سازش تھی، تا کہ مسلم تشخص قائم نہ رہ سکے، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ دفعہ ۴۴ر یکساں سول کوڈ سے مسلمانوں کو ہمیشہ خطرہ رہا ہے، اس کے تحت مسلم ثقافت شدید مجروح ہوئی ہے۔ سپریم کورٹ کے اس فیصلے کے خلاف ملک گیر سطح پر مسلم رہنماؤں اور مسلم عوام نے سخت احتجاج کیا تھا، حکومت کو سپریم کورٹ کے فیصلے کو کالعدم قرار دینے کے لیے پارلیمنٹ میں تحفظ حقوق مسلم مطلقہ قانون بنانا پڑا، اور اس فیصلے کو واپس لے لیا گیا۔ اس کے باوجود مختلف زیریں عدالتوں کے ذریعہ قانون شریعت سے متصادم فیصلوں کا سلسلہ جاری ہے مسلم تشخص اور ثقافت اکثر وبیشتر نام نہاد دانشوروں اور اسکالرز کی دسیسہ کاریوں کا ہدف بنا ہے۔

اسلام سے قبل اہل عرب میں قسم قسم کی برائیاں تھیں، لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ ذاتی مراسم کی خاطر پشتہا

پشت لڑائیاں جاری رہتی تھیں۔ان میں ایک برائی یہ بھی تھی کہ غیر اولاد کو اپنی جانب منسوب کرلیا کرتے تھے ۔حضرت زید بن حارثہ اللہ کے رسول ﷺ کی کفالت میں تھے،لوگ زید بن حارثہ کو زید بن محمد کہا کرتے تھے۔لے پالکوں کو اپنے آقا کے گھر میں ہر طرح کی آزادی تھی، وہ بالکل حقیقی بیٹے کی طرح گھر میں زندگی بسر کرتے تھے۔ان سے پردہ نہیں ہوتا تھا۔لیکن بعثت نبوی کے بعد لے پالکوں کو ان کا حق دیا گیا اور اللہ کے رسول ﷺ کو حکم ملا کہ لے پالک تمہاری حقیقی اولاد نہیں بلکہ تمہارے بھائی ہیں۔اگر ایسا ہوتا ہے تو اس بچہ کا حق مارا جائے گا، کیونکہ ہر انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی حقیقت کو پہچانے، یہ بچے کے ساتھ زیادتی ہوگی اور اس کی نفسیات کے خلاف ہے۔صحابہ کرام بیان فرماتے ہیں کہ ہم زید بن حارثہ ؓ کو جنہیں رسول ﷺ نے آزاد کر کے بیٹا بنالیا تھا، زید بن محمد کہا کرتے تھے (بخاری) یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ارشاد باری تعالی ہے ﴿وما جعل أدعياء كم أبناء كم ذلكم قولكم بأفواهكم، والله يقول الحق وهو يهدى السبيل. ادعوهم لآباء هم هو أقسط عند الله، فان لم تعلموا آباء كم فاخوانكم في الدين ومواليكم. وليس عليكم جناح فيما أخطأتم به ولكن ما تعمدت قلوبكم وكان الله غفورا رحيما﴾(۱)۔اللہ تعالی نے تمہارے لے پالک لڑکوں کو واقعی تمہارے بیٹے نہیں بنایا ہے، یہ تو تمہارے اپنے منہ کی باتیں ہیں اللہ تعالی حق بات فرماتا ہے اور وہ سیدھی راہ راہ دکھاتا ہے، لے پالکوں کو ان کے حقیقی باپوں کی طرف نسبت کر کے بلاؤ، اللہ کے نزدیک پورا انصاف یہی ہے اگر تمہیں ان کے حقیقی باپوں کا علم نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں۔تم سے بھول چوک میں جو کچھ ہو جائے اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں البتہ گناہ وہ ہے جس کا تم دل سے ارادہ کرو اللہ تعالی بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔اللہ کے رسول کو جب یہ حکم ملا تو آپ نے زید بن حارثہ سے فرمایا "أنت أخونا ومولانا" کہ آپ ہمارے دوست اور بھائی ہیں۔ (۲)

زمانہ جاہلیت اور ابتدائے اسلام میں یہ رواج تھا کہ لے پالکوں کی بیویوں سے شادی روا نہیں سمجھتے تھے، جب اللہ کے رسول نے حضرت زید کو آزاد کر دیا تو ان کی شادی حضرت زینب سے کر دی، جاہلیت کے اعتبار سے وہ آپ کی بہو ہوتی تھیں، حضرت زینب کے اندر خاندانی نسب وشرف بسا ہوا تھا اور حضرت زید بن حارثہ پر غلامی کا داغ تھا، اس لئے دونوں میں ان بن رہتی تھی۔حضرت زید اللہ کے رسول ﷺ سے شکایت بھی کر چکے تھے اور طلاق کی بات بھی کی تھی، لیکن اللہ کے رسول ﷺ رحمۃ للعالمین تھے، اس لیے ان کو سمجھا بجھا کر رکھنے کا حکم دیا۔آخر کار زینب کا طلاق ہو گیا۔اللہ تعالی نے رسم تبنیت کو چاک کرنے کے لیے حضرت زینب کی شادی اللہ کے رسول ﷺ سے ساتویں آسمان پر کر دی۔اللہ تعا کی نے ارشاد فرمایا: ﴿وإذ تقول للذين أنعم الله عليه أمسك عليك زوجك واتق الله وتخفي في نفسك ما الله مبديه وتخشى الناس، والله أحق أن تخشه، فلما قضى زيد منها وطرا زوجنكها لكى لا يكون على

(۱) الاحزاب: ۴۔۵۔

(۲) صحیح بخاری: کتاب المغازی باب عمرۃ القضاح، ح ۴۲۵۱۔

المومنین حرج فی أزواج أدعیاء هم اذا قضوا منهن وطرا، وکان أمر الله مفعولا﴾۔(۱)

یاد کرو جب تو اس شخص سے کہہ رہا تھا جس پر اللہ نے بھی انعام کیا اور تو نے بھی کہ تو اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھ اور اللہ سے ڈر اور تو اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھا جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور تو لوگوں سے خوف کھاتا تھا حالانکہ اللہ تعالی اس کا زیادہ حق دار تھا کہ تو اس سے ڈرے، پس جب کہ زید نے اس عورت سے اپنی غرض پوری کر لی ہم نے اسے تیرے نکاح میں دے دیا، تاکہ مسلمانوں پر اپنے لے پالکوں کی بیویوں کے بارے میں کسی طرح کی تنگی نہ رہے جب کہ وہ اپنی غرض پوری کر لیں ،اللہ کا یہ حکم تو ہو کر ہی رہنے والا تھا۔اس آیت کے نزول کے معاًبعد تاکیداً ایک اور آیت نازل فرمائی کہ آپ ﷺ کو مورد طعن نہ بنایا جائے کہ انہوں نے اپنی بہو سے شادی کر لی۔حضرت زید آپ ﷺ کے صلبی بیٹے نہیں تھے بلکہ حقیقتاًوہ حارثہ کے بیٹے تھے اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا﴿ما کان محمد أبا أحد من رجالکم ولکن رسول الله وخاتم النبیین وکان الله علی کل شیء قدیرا﴾(۲)لوگو! محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن آپ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔اس طرح اللہ تعالی نے جاہلیت کے باطل رسم ورواج کا قلع قمع کیا اور رسم تبنیت کو ختم کر دیا، مذکورہ آیات سے عیاں ہوتا ہے کہ اس حرمت وممانعت کے باوجود جو شخص جان بوجھ کر غلط انتساب کرے گا وہ سخت گناہ کا مرتکب ہوگا اور ایسے شخص پر جنت بھی حرام ہو جائے گی اور وہ اللہ ورسول کے عتاب کا مستحق ہوگا۔حضرت ابی ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا"لیس من رَجل ادعی لغیر أبیه وهویعلمه الا کفر ومن ادعی قوما لیس له فیهم نسب فلیتبوأ مقعده من النار"(۳)ترجمہ:جس شخص نے بھی جان بوجھ کر اپنے باپ کے سوا کسی اور کو اپنا باپ بنایا تو اس نے کفر کیا اور جس نے اپنا نسب کسی ایسے قبیلہ سے جوڑا جس سے اس کا کوئی نسبی تعلق نہیں ہے تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔اسی طرح بخاری کی دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:"ان من أعظم الفزی أن یدعی الرجل إلی غیر أبیه أو یُری عینه ما لم تر أو یقول علی رسول الله ﷺ ما لم یقل"(۴)ترجمہ:سب سے بڑا بہتان اور سخت جھوٹ یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے سوا کسی اور کو اپنا باپ کہے یا جو چیز اس نے خواب میں نہیں دیکھی اس کے دیکھنے کا دعوی کرے یا اللہ کے رسول ﷺ کے جانب کسی ایسی حدیث کو منسوب کرے جس کو آپ ﷺ نے نہ فرمائی ہو۔

اسی طرح حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا"من ادعی

(۱)الاحزاب:۳۷۔ (۲)الاحزاب:۴۰۔

(۳)صحیح بخاری:کتاب المناقب،باب نسبۃ الیمن الی اسماعیل۔ح/۳۵۰۸صحیح مسلم میں کچھ تخفیف کے ساتھ،کتاب المناقب باب بیان حال ایمان من قال لاخیہ المسلم یا کافر:ح/۶۱۔

(۴)صحیح بخاری کتاب المناقب باب نسبۃ الیمن الی اسماعیل،ح/۳۵۰۹۔

غير أبيه وهويعلم انه غير أبيه فالجنة عليه حرام"(۱) ترجمہ: جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے بیٹے ہونے کا دعوی کیا یہ جانتے ہوئے کہ وہ اس کا باپ نہیں ہے تو جنت اس پر حرام ہے۔ احادیث مبارکہ میں اس طرح کی بہت ساری باتیں ہیں جس میں سخت وعید سنائی گئی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لا ترغبوا عن آباء كم فمن رغب عن أبيه فهو كفر"(۲) ترجمہ: اپنے باپ کا انکار نہ کرے کوئی کیونکہ جو اپنے باپ سے منہ موڑے گا اور اپنے کو دوسرے کا بیٹا ظاہر کرے گا تو یہ کفر ہے۔

اسلامی تعلیمات ہر زمان ومکان کے لیے ہے، اسلامی دستور وقوانین میں کمی وزیادتی کی گنجائش نہیں، یہ منزل من اللہ ہے۔ اس کی تعلیم سے روگردانی اور چشم پوشی انسان کو اوج ثریا سے تحت الثری میں ٹھکانا بنا دیتی ہے۔ اسلام نے انسانی زندگی کے کسی گوشے کو باقی نہیں چھوڑا ہے حتی کہ بول وبراز کی بھی تعلیم دی ہے۔ اگر اسلام کا بغور مطالعہ کیا جائے تو حقیقت آشکارا ہوجائے گی کہ اسلام نے اپنے متبعین کی قدم قدم پر کس طرح رہنمائی کرتا ہے اور انہیں راہ ہدایت کی دعوت دیتا ہے۔ جہاں تک وراثت میں حصہ پانے کی بات ہے تو اللہ تعالی نے قرآن کریم میں وراثت کے احکام کو وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے اور رسول ﷺ نے اس کی تشریح فرمائی ہے۔ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ بیٹوں کی اولاد اپنے چچاؤں کے ساتھ میراث میں شریک نہیں ہو سکتے۔ جب یہ ممکن نہیں تو پھر غیر کی اولاد جن کا نہ صلبی رشتہ ہے اور نہ خاندانی تو پھر ان کو وراثت میں حصہ کہاں سے ممکن ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: "الحقوا الفرائض بأهلها، فما بقى فهو لا ولى رجل ذكر"(۳) کہ وراثت اس کے حقدار کو پہونچاؤ اور جو باقی بچے اس کا حقدار مرد ہوگا۔

سپریم کورٹ کا یہ فیصلہ اسلام کے بنیادی حق سے نہ صرف متصادم ہے بلکہ اس کے براہ راست اثرات مسلم سماج پر مترتب ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ پہلے بچے کی کفالت کی آزادی حاصل تھی۔ مسلمان کوئی نومولود بچہ گود لیتے تھے یا کہیں لقطہ پا گئے تو اس کی پرورش کرتے تھے تو وہ اسلامی خاندان میں پرورش پانے کے سبب مسلمان ہوتا تھا، کیونکہ لقطہ میں ملا بچہ یا گود لیا ہوا بچہ اس میں فرق اور تمیز کرنا محال ہوتا ہے کہ مسلمان ہے یا غیر مسلم، تو اگر سپریم کورٹ یہ فیصلہ سنا کر اس کا حکم نافذ کر دے گی تو کوئی مسلمان، بچہ گود نہیں لے گا اور نہ ہی لقطہ کی پرورش کریگا، اس لیے کہ اس پرورش شدہ بچے کو قانونا حق حاصل ہوگا کہ وہ پرورش کرنے والے کے مال میں حصہ دار بنے۔ اگر پرورش کرنے والے مزاحمت کریں گے تو وہ عدالت سے اپنا وہ حق جو سپریم کورٹ نے سنایا ہے اس بنیاد پر لے سکتا ہے۔ یہ قابل غور مسئلہ ہے۔ فکری جنگ کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کا یرغمال

(۱) صحیح بخاری کتاب الفرائض، باب من ادعی غیر ابیہ، ح/۶۷۶۶۔
(۲) صحیح بخاری کتاب الفرائض باب من ادعی غیر ابیہ ح/۶۸۶۷۔
(۳) صحیح بخاری کتاب الفرائض باب میراث الولد من ابیہ وامہ ح/۶۷۳۲۔ صحیح مسلم کتاب الفرائض باب الحقوا الفرائض بأھلھا ح/۱۶۱۵۔

بنانے کی کوشش جاری ہے یہ ایک منصوبہ بند سازش ہے اس کی جتنی مخالفت کی جائے کم ہے۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ کے سرگرم کارکن ڈاکٹر قاسم الیاس رسول نے کہا کہ ''سپریم کورٹ نے بچہ گود لینے کے تعلق سے جو فیصلہ سنایا ہے وہ بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کرتا ہے اور اس فیصلہ میں جو نائل ایکٹ کو بنیاد بنایا گیا ہے حالانکہ وہ بنیادی حقوق پر مبنی نہیں ہے، مسلم پرسنل لا بورڈ کے ارکان جیسا کہ انھوں نے کہا کہ وہ اس فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں نظر ثانی کی درخواست کریں گے تاکہ اسے درست کیا جاسکے، ان کی یہ پیش قدمی قابل تحسین ہے۔

تبنیت کی جگہ اسلام کا مکمل نظام کفالت موجود ہے، اسلام اس کی روز اول سے دعوت دیتا ہے، خود ہمارے رسول ﷺ نے حضرت علی ؓ کو اپنی کفالت میں رکھا تھا، کیونکہ آپ کے چچا حضرت ابوطالب قلیل المال، کثیر العیال تھے، اس لیے آپ ﷺ نے حضرت علی کو اپنے ماتحت میں رکھ لیا تھا، اور ان کی پرورش کی تھی۔ اللہ تعالی نے قرآن کریم میں صلہ رحمی اور ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیا ہے، کفالت کرنے اور یتیموں کے ساتھ ہمدردی کرنے پر جنت کی بشارت سنائی ہے ،اسلام کی ایک عظیم الشان بنیاد انہیں اسباب ووجوہات کے سبب آج پوری دنیا میں زندہ وجاوید ہے اور رہتی دنیا تک رہیں گے۔ حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "كافل اليتيم له أو لغيره، أنا وهو كهاتين في الجنة" (مسلم) کہ یتیم کی کفالت کرنے والا وہ یتیم اس کا قریبی ہو یا غیر، میں اور وہ ان دو انگلیوں کی طرح جنت میں رہیں گے۔ شہادت اور درمیانی انگلی سے اشارہ کیا۔

اس طرح دوسری حدیث میں ہے حضرت سہل بن سعد ؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "أنا وكافل اليتيم في الجنة هكذا، وأشار بالسبابة والوسطى وفرج بينهما" (بخاری) کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے، آپ نے اپنی انگشت شہادت اور درمیانی والی انگلی کے درمیان کشادگی فرما کر اشارہ کیا۔

اسلامی تعلیم پوری انسانیت کے لیے رحمت ہے۔ اس کے قوانین واصول اٹل ہیں۔

اللہ تعالی تمام لوگوں کو راہ ہدایت کی توفیق دے، آمین۔

☆☆☆

مولانا فائق املوی
جماعت کے لیے ایک سانحہ ارتحال

(۲-۲)

محمد اسلم مبارک پوری

ابھی مولانا دعوت وتبلیغ کی پرخار وادیوں میں اٹکے ہوئے تھے کہ حالات نے گردش لیل ونہار کی طرح انگڑائی لی۔ آپ جامعہ رحمانیہ بنارس سے مستعفی ہوکر وطن مالوف کی راہ لی۔ اور اپنی جدوجہد کو تجارت کی طرف مرتکز کردیا۔ ذریعہ معاش کے لیے مبارک پور میں ''انصاری بک ڈپو'' کے نام سے ایک تجارتی مکتبہ قائم کیا۔ اور اس کی دیکھ ریکھ میں لگ گئے۔ مگر دعوتی سرگرمیاں متاثر نہ ہوئیں۔ مذکورہ تجارتی مکتبہ کو آگے بڑھانے کے ساتھ ساتھ ہر ماہ جمعہ کو اعظم گڈھ کی مضافاتی بستیوں میں خطبہ جمعہ کی خدمت انجام دیتے رہے۔ ۱۹۸۴ء سے لے کر ۲۰۰۱ء تک جامع مسجد حافظ خدا بخش گولہ بازار (مبارک پور) میں مستقل طور پر خطبہ جمعہ کی ذمہ داری بحسن وخوبی نبھاتے رہے، ۱۷/ سال کے اس طویل عرصہ میں ہر موضوع پر خطبہ دیا۔ اسلامی احکام وعبادات، اخلاق وعقائد، فقہ وفضائل اور بدعات ومنکرات جیسے عناوین پر لومۃ لائم کی پرواہ کیے بغیر بلاخوف و تردد خطبہ دیتے۔ اور اصلاح وتبلیغ کا کام کرتے۔ آپ کے خطبات وکتاب وسنت کے دلائل سے مزین نہایت وقیع اور عمدہ ہوتے تھے۔ آپ کی زبان وآواز میں کروفر تو نہ تھا لیکن شاعرانہ ذوق ہونے کی وجہ سے سلاست وروانی بھرپور تھی۔ افہام تفہیم کا اچھا ملکہ تھا۔ خداداد صلاحیت تھی۔ خطبہ میں جس چیز کو موضوع سخن بناتے اس کے تمام مشمولات پر کمال جامعیت کے ساتھ گفتگو کرتے۔ اپنے علم کی حد تک اسے تشنہ نہ چھوڑتے۔ اپنی بات کو بہت آسان اور سہل اسلوب میں پیش کرتے تاکہ کم پڑھے لکھے بھی استفادہ سے محروم نہ رہیں۔

درس وتدریس کے حوالہ سے مولانا کا طریقہ بہت عمدہ تھا۔ درس کی افہام وتفہیم خوش اسلوبی سے کرتے۔ بڑی وضاحت کے ساتھ مالہ وماعلیہ بیان کردیتے تاکہ طلبہ کو درس کے سمجھنے میں دقت نہ ہو۔ طلبہ میں علمی صلاحیت فروغ دینے کے لیے مختلف طریقے اپناتے۔ کبھی تو مضمون نگاری پر ابھارتے تو کبھی انعامی مسابقے کراتے۔ مولانا جب جامعہ رحمانیہ بنارس میں مدرس تھے تو جماعت ثالثہ اور رابعہ کے طلبہ سے مضمون نگاری کراتے تاکہ ان میں مضمون نگاری کا ملکہ پیدا ہو۔ اور خود ہی ان مضامین کی تصحیح فرماتے۔ مولانا ہی کی تحریک پر طلبہ جامعہ رحمانیہ نے ایک قلمی مجلّہ نکالا جو آج بھی ''حفلۃ الخطابۃ'' کی لائبریری میں بقول مرشدی مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی صاحب، مدیر مجلّہ ''محدث'' موجود ہے۔

اسی طرح مختلف اوقات میں مولانا مدرسہ اسلامیہ انوار العلوم املو میں ناظم تعلیمات کے عہدے پر فائز تھے تو متنوع

الأ قسام مسابقے کراتے۔طلبہ کی دلچسپیوں کا خاص لحاظ رکھتے اور انھیں حوصلہ دیتے تا کہ انہیں علمی زندگی میں کوئی پریشانی اور دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

مولانا نڈر آدمی تھے۔حق کہنے میں ڈرتے نہیں تھے۔جامعہ رحمانیہ بنارس سے مستعفی ہونا اس کی دلیل کے لیے کافی ہے۔زندگی میں کئی ایسے مواقع آئے جہاں مولانا کی حق گوئی اور جرأت نے مولانا کو بلندی اور سرفرازی عطا کی۔بدعت و ضلالت کی تاریک وادیوں کو کتاب وسنت کی ضیاپاش کرنوں سے منور کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو اپنا دینی فریضہ سمجھتے تھے، چاہے جان جان آفریں کے حوالے ہی نہ کرنی پڑ جائے۔اس کی ایک جھلک اس وقت نظر آئی جب مولانا کے اشراف میں ان کے صاحب زادے مولانا انعام الرحمٰن نے زمانہ طالب علمی میں ایک مضمون رد شیعیت میں بعنوان: ''حادثۂ کربلا، تاریخ کے آئینے میں'' جو آواز ملک بنارس میں، اگست ۱۹۹۰ء کے شمارہ میں طبع ہوا، تحریر فرمایا۔ اس مضمون نے مبارک پور میں ہل چل پیدا کردی۔اہل تشیع نے محرم الحرام کی حرمت کو پامال کرتے ہوئے ۱۱/محرم کو مولانا اور مولانا کے بڑے صاحب زادے احتشام الرحمٰن بھائی پر جان لیوا حملہ کردیا۔یقین نہیں ہو رہا تھا کہ مولانا اور ان کے صاحب زادے اس حملہ سے جانبر ہوسکیں گے مگر اللہ رب العالمین کی مرضی اور نوشتہ تقدیر کچھ اور ہی تھا کہ مولانا اور ان کے صاحب زادے چند ماہ کے بعد مکمل طور پر شفایاب ہوگئے۔اس واقعہ نے اہل تشیع اور اہل حدیث کے درمیان ایک دیوار قائم کرنے کے ساتھ ساتھ اہل حدیث عاملین بالکتاب والسنۃ کے دلوں میں اعتقادی پختگی عطا کردی۔اہل حدیث حضرات کی قلت کو دیکھتے ہوئے اہل تشیع نے ان پر آوازیں کسنا اور پریشان کرنا شروع کردیا۔علی الاعلان یہ کہنے لگے: ہم لوگوں سے پالا پڑا ہے ان کو دو انگلیوں کے درمیان چیونٹی کی طرح مسل دیا جائے گا۔فخر ومباہات، غرور وتعلّی کی یہ بات خالقِ کائنات کو اچھی نہ لگی۔قدرت کا کرنا ایسا ہوا کہ جماعت حقہ کی طرف سے مقدمات کی پیروی نے شیعوں کو لوہے کے چنے چبانے پر مجبور کردیا۔نتیجہ کے طور پر شیعوں کو (لاکھ کوششوں کے باوجود) سزا ہوئی۔اور عمر کے قیمتی لمحات کو پس دیوار زنداں گزارنا پڑا۔اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اہل تشیع کے دلوں میں اہل حدیثوں کی دھاک بیٹھ گئی۔اہل حدیثوں کا نام لینے سے ان کے ذہن ودماغ پر ہیبت اور خوف طاری ہوجاتا تھا۔اس کا اعتراف دبے الفاظ میں شیعوں نے اس وقت کیا جب مبارک پور کی سرزمین دوبارہ دیوبندی اور شیعیت کے درمیان فساد میں لالہ زار ہوگئی۔

مولانا قرۃ العین صاحب فائق انصاری نے جہاں جماعت وجمعیت کی شیرازہ بندی کی وہیں آپ نے مبارک پور میں موجود عربی مدارس کی تعلیمی ترقی اور عربی زبان کی ترویج واشاعت میں بھرپور حصہ لیا۔۱۹۶۹ء میں مدرسہ عربیہ دارالتعلیم میں عربی زبان وادب کی تعلیم وتدریس کی نشأۃ ثانیہ آپ ہی کے دامن قدر میں آئی۔یہ مدرسہ سن تاسیس سے ہی عربی زبان وادب کی تعلیم وتدریس کو اپنے لیے سرمایہ افتخار سمجھتا ہے۔اس دانش گاہ میں مبارک پور علماء میں سے محدث کبیر حضرت مولانا ابوالعلی

محمد عبدالرحمٰن (۱۸۶۶ - ۱۹۳۵ء) صاحب تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی، حضرت مولانا ابوالطیب عبدالصمد (۱۹۰۴ - ۱۹۴۸ء) حضرت مولانا محمد اصغر مبارک پوری (وفات ۱۹۲۷ء) حضرت مولانا محمد بشیر (۱۹۰۴ - ۱۹۷۸ء) حضرت مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی (۱۹۱۶ - ۱۹۷۸ء) وغیرہ جیسے اساطین علم وفن مسند تدریس کی زینت بن چکے ہیں۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ کچھ مدت کے لیے شعبہ عربی کا فیضان (غالبا حالات کی نزاکت کی وجہ سے) موقوف رہا، جس کی نشأۃ ثانیہ کا قیام مولانا رحمہ اللہ کی جہود ومساعی سے ہوا۔

علاوہ ازیں مدرسہ اسلامیہ انوار العلوم املو (مبارک پور) میں شعبہ عربی کا قیام بھی مولانا ہی کی کوششوں کی رہین منت ہے۔ اس مدرسہ کی تاسیس حضرت مولانا نذیر احمد رحمانی املوی (۱۹۰۶ - ۱۹۶۵ء) کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ اسی مدرسہ میں مولانا قرۃ العین صاحب نے عربی زبان وادب کے ساتھ نحو وصرف کا درس دیا اور فن صرف کی احمد حملاوی کی مشہور کتاب ''شذ العرف'' کو زیر تدریس رکھا۔

۲۸ر فروری ۲۰۰۳ء کو ریاستی جمعیت اہل حدیث کا انتخاب جو شہر گورکھپور میں ہوا، مولانا نے تحمس و بیداری کا ثبوت دیتے ہوئے صرف اس میں شرکت ہی نہیں بلکہ ایک وفد لے کر گورکھپور کے لیے پابہ رکاب ہوئے۔ اور قرب وجوار کے لوگوں کو اس میں شرکت کی دعوت دی۔ مولانا کی جماعتی خدمات کو دیکھتے ہوئے باتفاق رائے مشرقی جمعیت اہل حدیث کا نائب امیر منتخب کیا گیا۔ اس انتخاب نے مولانا کے اندر ایک نئی روح پھونک دی۔ زندگی کی اس عمر میں جب انسانی اعضاء کمزور اور ڈھیلے پڑ جاتے ہیں، مولانا کی جماعتی تحمس اور جوش وجذبہ دیدنی تھا۔ نائب امیر منتخب ہونے کے بعد اعظم گڈھ شہر میں از سر نو جماعتی سرگرمیاں بڑھا دیں۔ ضلعی جمعیت کا اچھے ماحول میں انتخاب کرایا، اور جمعیت سے وابستہ افراد میں ایک لہر پیدا کی۔ اس سلسلہ میں مولانا نے جماعتی پیمانہ پر جو خدمات انجام دی ہیں ان خدمات کو طاق نسیاں نہیں کیا جا سکتا۔

جماعتی سرگرمیوں سے وابستہ ہونے کی وجہ سے تاریخ اہل حدیث پر گہری نظر تھی، اس کے نشیب وفراز سے خوب اچھی طرح واقفیت تھی۔

جماعت وجمعیت اور تجارتی مکتبہ کی وابستگی کے ساتھ تفریح طبع کے لیے شعر وشاعری کو اپنی زندگی کا حصہ بنایا۔ شعر گوئی آپ کے ذوق کی بلندی کی علامت ہے۔ کسی عالم دین کا شاعر ہونا اس کی قابلیت کا ایک اضافی اعزاز ہے۔ نظم، غزل، نعت، حمد اور ترانہ جیسے اصناف شاعری پر طبع آزمائی کی۔ الفاظ کی بندش، معانی کی گہرائی، اشارات وکنایات کی گیرائی آپ کے کلام میں بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔ آپ کی شاعری پاکیزہ شاعری تھی۔ تشبیب وتغزل سے مبرا تھی۔ کلام میں سحر انگیزی بھی ہے۔ شائستگی اور پختگی بھی، سلاست وروانی بھی ہے، رعنائی اور تازگی بھی۔ اور اشعار کا ایک معتد بہ حصہ حکمت ودانائی بھی لی ہوئے ہے۔

آپ کی شعر گوئی کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ پاکوڑ کانفرنس (۲۰۰۴ء) کی شرکت کے دوران سفر ایک پرمغز غزل لکھا جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

گل ولالہ وہابی ہوگئے ہیں — مئے وساغر حجازی ہوگئے ہیں
نہ چھیڑو ذکر گذرے مشغلوں کا — نگاہ و دل نمازی ہوگئے ہیں
خدا رکھے میرے گھر کو سلامت — میرے بھائی فسادی ہوگئے ہیں
رموز شرع سے ناآشنا لوگ — غزالی اور رازی ہوگئے ہیں
ہمارے شہر میں قاضی کے فتوے — میاں فائق رکابی ہوگئے ہیں

آپ کی نظمیں اور غزلیں نوائے اسلام دہلی، حیات نو بلریا گنج، ندائے فضلاء مبارک پور، اور آواز ملک بنارس کے صفحات کی زینت بنتی رہی ہیں۔شعری مجموعہ ''واردات دل'' غیر مطبوع ہے، جسے کسی ارباب سخن کی نگاہ کرم کی ہوا لگ گئی۔اور ''ادبی سرقے'' کی صف میں شامل ہوگیا۔

مولانا موصوف رحمہ اللہ عمر کی اخیر منزل تک ہشاش بشاش اور روبصحت رہے۔روزمرہ کے مشاغل حسب معمول انجام دیتے رہے۔وفات سے تقریبا دو ماہ قبل پت (Gall Bledder) میں شکایت ہوئی۔ڈاکٹروں سے صلاح ومشورہ کے بعد طے پایا کہ آپریش ہوجانے کے بعد ان شاءاللہ یہ شکایت دور ہوجائے گی۔چنانچہ ۲۲؍دسمبر ۲۰۱۳ء کو آپ کا کامیاب آپریش ہوا، اور شکایت دور ہوگئی مگر ضعف ونقاہت حد سے زیادہ بڑھ گئی۔دوبارہ ڈاکٹروں سے رابطہ ہوا، تو کسی دوسرے مرض کا انکشاف ہوا، وہ ہے حلق سے لے کر سینہ تک کینسر جیسے موذی مرض کا وجود۔اس مرض نے اہل خانہ اور احباب جماعت میں اضطراب وبے چینی پیدا کردی، مگر نوشتہ تقدیر نے یہ تسلی دی کہ وقت موعود کا بہانہ ہے، اور مولان اخالق حقیقی کی ابدی نعمتوں سے محظوظ ہونے والے ہیں، اور دار فانی پر دار آخرت کو ترجیح دینے والے ہیں جو بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ (والآخرة خير وأبقى) چنانچہ علم وفضل کا یہ نیز تاباں اور شعر وادب کا یہ لعل بدخشاں ۲؍فروری ۲۰۱۴ء مطابق یکم ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ کو سورج کے غروب ہونے کے ساتھ ہی ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا اور آپ کی وفات سے بساط علم وادب سوگوار ہوگئی۔

﴿إنا لله وإنا إليه راجعون﴾ اللهم اغفر له وارحمه.

☆☆☆

عالم اسلام

ظل الرحمٰن سلفی

سعودی ولی عہد دوم شہزادہ مقرن بن عبدالعزیز:

سعودی عرب کے شاہی خاندان کے ارکان وزراء، مذہبی شخصیات دانشوروں اور عام شہریوں نے حال ہی میں مقرر شدہ ولی عہد دوم شہزادہ مقرن بن عبدالعزیز سے اظہار وفاداری کرتے ہوئے ان سے بیعت کر لی ہے اور انہیں نئے منصب پر فائز ہونے پر مبارکباد پیش کی ہے۔

سعودی عرب کے دارالحکومت ریاض کے شاہی محل میں حلف برداری کی پروقار تقریب منعقد ہوئی، جس میں مختلف شعبہ جات سے تعلق رکھنے والی سرکردہ شخصیات نے کافی تعداد میں شرکت فرمائی۔ سعودی فرماں روشاہ عبداللہ بن عبدالعزیز کے جاری کردہ ایک شاہی فرمان کے تحت شہزادہ مقرن کو موجودہ ولی عہد شہزادہ سلمان کا جانشین مقرر کیا گیا ہے۔ سعودی عرب کے سرکاری ٹیلی ویژن سے نشر ہونے والے بیان کے مطابق ''شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز نے شہزادہ مقرن کو بادشاہ اور ولی عہد کا عہدہ خالی ہونے کی صورت میں سعودی مملکت کا بادشاہ مقرر کر دیا ہے۔ (سنڈے انڈین وعالمی سہارا: ۱/۴/۲۰۱۴ء)

تاتاری مسلمانوں کو مہرہ کے طور پر نہیں استعمال کیا جانا چاہیے: ولادیمیر پوتن:

ماسکو (ایجنسی) روس کے صدر ولادیمیر پوتن ایک مباحثہ کے دوران کریمیا کے تاتاری مسلمانوں کو مہرہ کے طور پر استعمال کرنے کے تعلق سے کہا خاص طور پر روس اور یوکرین کے مابین تنازعات میں کریمیا کے تاتاری مسلمانوں کو مہرہ نہیں بنایا جاسکتا، اور نہ وہ اس کی اجازت دیں گے۔ انہوں نے مزید کہا کہ تاتاری مسلمان دہائیوں تک مصائب وآلام میں مبتلا رہے، اب انہیں کسی دیگر تنازعہ میں الجھایا جانا گوارا نہیں کیا جاسکتا، اور وہ اس بات کو یقینی بنائیں گے کہ کریمیا کے تاتاری مسلمان اپنے آبائی وطن میں ہونے کا حقیقی احساس کریں، اور عزم کرتے ہیں کہ ان کے درپیش مسائل کو دور کیا جائے گا۔ (انقلاب: ۱۴۱۵/۲۵)

ترکی میں مساجد کی تعداد ۸۶۷۰۰:

ترکی کی شہرت یافتہ متعدد وجوہات میں سے ایک خاص وجہ استنبول میں واقع خلافت اسلامیہ کی باقیات کے طور پر اس کی نیلی مسجد ہیں جو سیاحوں کی توجہ کو اپنے وسیع وعریض گنبد، جاذب نظر، نقش ونگارشات اور دلفریب اسلامی آرٹ کے ذریعہ اپنی جانب مائل کر لیتی ہے، مگر اس حقیقت سے شاید بہت کم حضرات واقف ہوں گے کہ ترکی میں صرف یہی ایک مسجد قابل ذکر نہیں ہے، بلکہ مساجد کی تعداد بھی حیران کرنے والی ہے، چنانچہ ترکی کے شہر نومبر میں ایک نئی مسجد کا افتتاح کرتے ہوئے ترکی کے وزیر برائے اسلامی امور محمد غور منیر نے اس بات کا انکشاف کیا کہ سارے ملک میں (۸۶۷۰۰)؛ مساجد آباد ہیں، اور ان میں ۹۹٪ فیصد مساجد کی تعمیر تباہی مسلمانوں کے مشترکہ تعاون سے عمل میں لائی گئی ہے، خصوصا پچھلے چار پانچ سال میں ان مساجد کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ (ماہنامہ صراط مستقیم برمنگھم: ۱۴/۴)

☆☆☆

اخبار جامعہ

رپورٹ سالانہ تقریری وتحریری مسابقات برائے طلبہ عالمیت وفضیلت ۱۴-۲۰۱۳ء

تقریری مسابقہ برائے فضیلت:

بعنوان: اسلام میں عورتوں کی حکمرانی عقل ونقل کی روشنی میں

محمد نثار محمد یاسین (پہلی پوزیشن) عزیر احمد نور الہدی (دوسری پوزیشن) اسامہ فخر الدین (تیسری پوزیشن)

بعنوان: شمول العبادة في الإسلام

اسامہ فخر الدین (پہلی پوزیشن) طارق اسعد اسعد اعظمی (دوسری پوزیشن) عطاء الرحمٰن حبیب الرحمٰن (تیسری پوزیشن)

بعنوان: Need and Way to invite non-muslims for deen

طارق اسعد اسعد اعظمی (پہلی پوزیشن) مقصود عالم ابو الکلام (دوسری پوزیشن) اسامہ فخر الدین (تیسری پوزیشن)

بعنوان: इशदुतों पर विशवास कुरआन की दृष्टि में

شبیر احمد عبید الرحمٰن (پہلی پوزیشن) محمد نثار محمد یاسین (دوسری پوزیشن) اخلاق احمد محمد یوسف (تیسری پوزیشن)

تحریری مسابقہ برائے فضیلت:

بعنوان: ائمہ اربعہ کے سلسلے میں علمائے اہل حدیث کا موقف

طارق اسعد اسعد اعظمی (پہلی پوزیشن) انوار الاسلام داؤد علی (دوسری پوزیشن) افروز عالم ذکر اللہ (تیسری پوزیشن)

بعنوان: الأزمة الاقتصادية: أسبابها وعلاجها في ضوء الإسلام

محمد محمد ابراہیم (پہلی پوزیشن) طارق اسعد اسعد اعظمی (دوسری پوزیشن) اسامہ فخر الدین (تیسری پوزیشن)

تقریری مسابقہ برائے عالم ثانی

بعنوان: جنسی زیادتی کا تدارک اسلام اور انصاف پسند مفکرین کی نظر میں

عطاء اللہ عبد اللہ (پہلی پوزیشن) یاسر اسعد اسعد اعظمی (دوسری پوزیشن) منیر الدین جلال الدین (تیسری پوزیشن)

بعنوان: العلوم العصرية وحاجتها في صالح الإسلام والمسلمين

عبد اللہ رضوان محمد رضوان (پہلی پوزیشن) یاسر اسعد اسعد اعظمی (دوسری پوزیشن) اکرام الحق انعام الحق (تیسری پوزیشن)

تقریری مقابلہ برائے عالمیت:

بعنوان: Sunnat-e-Nabvi and World Peace

سید عمران سید خواجہ حسین (پہلی پوزیشن) محمد ارشاد عبد الرشید (دوسری پوزیشن) شاہد جنید عبد الواسع (تیسری پوزیشن)

بعنوان: इसलाम में पशुओं के साथ सद व्यवहार

عبد المعید امین الحق (پہلی پوزیشن) اشتیاق احمد محبوب احمد (دوسری پوزیشن) ذاکر حسین محمد ابو طالب (تیسری پوزیشن)

تحریری مسابقہ برائے عالم ثانی

بعنوان: حاکم وقت کے خلاف بغاوت قرآن وحدیث کی روشنی میں

یاسر اسعد اسعد اعظمی (پہلی پوزیشن) محمد کاشف شکیل احمد (دوسری پوزیشن) اکرام الحق انعام الحق (تیسری پوزیشن)

بعنوان: تاريخ أهل الحديث في الهند

یاسر اسعد اسعد اعظمی (پہلی پوزیشن) عطاء اللہ عبداللہ (دوسری پوزیشن)

تقریری مقابلہ برائے عالم اول

بعنوان: اسلام میں غریبی کا علاج

محمد عارف عبدالمالک (پہلی پوزیشن) اشتیاق احمد محبوب احمد (دوسری پوزیشن) ابوطالب شریعت اللہ (تیسری پوزیشن)

بعنوان: سماحة الإسلام مع غير المسلمين

جمال الدین نورالاسلام (پہلی پوزیشن) محبّ الاسلام گوہر علی (دوسری پوزیشن) محمد عارف عبدالمالک (تیسری پوزیشن)

تحریری مسابقہ برائے عالم اول

بعنوان: امن عالم اور اسلامی غزوات

محمد غفران عبید الرحمٰن (پہلی پوزیشن) فضل الرحمٰن عبدالعزیز (دوسری پوزیشن) محمد شعیب فیضان احمد (تیسری پوزیشن)

تحریری مسابقہ برائے عالم اول

بعنوان: مسئولية المسلمين تجاه المؤامرة ضد الإسلام

خبیب حسن فضل حق (پہلی پوزیشن) ضیاء الرحمٰن مطیع الرحمٰن (دوسری پوزیشن) احسان الٰہی احمد مولوی (تیسری پوزیشن)
فضل الرحمٰن عبدالعزیز ع ا (تیسری پوزیشن)

اسعد الرحمٰن جمال الدین ف ۲
ناظم ندوۃ الطلبہ

اجمالی خاکہ برائے نتیجہ سالانہ امتحان جامعہ سلفیہ، بنارس ۲۰۱۴-۲۰۱۳ء

جماعت	کل تعداد طلبہ	شریک امتحان	کامیاب	ناکام	کامیابی کی تفصیل				
					ممتاز	جید جدا	جید	مقبول	ناجح
فضیلت ثالث	50	47	47			43	1		1
فضیلت ثانی	63	61	60			54	2		3
فضیلت اول	86	77	75	2	9	58	3		2
عالم ثانی	152	140	132	8	9	88	15		20
عالم اول	135	127	132		7	79	7		30
ثانویہ ثانیہ	23	23	23		3	14	4		2
ثانویہ اولی	25	24	22	2	1	15	3		3
متوسطہ ثالثہ	27	25	18	7	3	3	1		11
متوسطہ ثانیہ	34	31	27	4	8	15			4
متوسطہ اولی	41	41	35	6	8	17	1		9
شعبہ حفظ	79	72	67	5	1	31	27	8	
شعبۂ تجوید ثانیہ	6	5	5		4	1			
شعبۂ تجوید اولی	7	5	5			5			

باب الفتاوی

سوال: محترم مفتی صاحب آپ اس مسئلہ میں ہماری رہنمائی فرمائیں کہ رکعات تراویح کی صحیح ومسنون عدد کیا ہے؟

الجواب بعون اللہ الوھاب وھو الموفق للصواب:

نماز تراویح، قیام اللیل، نماز تہجد یہ سب ایک ہی نماز ہے، اس کا وقت نماز عشاء کے بعد سے لے کر فجر تک ہے، رات کے کسی بھی حصے میں پڑھی جاسکتی ہے۔

اماں عائشہ ؓ سے مروی ہے کہ "كان رسول الله ﷺ يصلي فيما بين أن يفرغ من صلاة العشاء إلى الفجر إحدى عشرة ركعة ويسلم بين كل ركعتين ويوتر بواحدة"۔ (صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب صلاۃ اللیل وعدد رکعات النبی (ﷺ) فی اللیل ح ۷۳۶)

یعنی نبی کریم ﷺ نماز عشاء اور نماز فجر کے درمیان گیارہ رکعت ادا کرتے تھے اور ہر دو رکعات کے بعد سلام پھیرتے تھے، اور ایک رکعت وتر ادا کرتے۔

اسی طرح ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: "ما كان رسول الله ﷺ يزيد في رمضان ولا في غيره على إحدى عشرة ركعة" (صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا ح ۷۳۸)

یعنی رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔

موطأ امام مالک ج ۱ ص ۱۴۱ اور معرفۃ السنن والآثار: ۲/ ۳۰۵ میں بصراحت مذکور ہے کہ حضرت عمر فاروق ؓ نے حضرت ابی بن کعب ؓ اور حضرت تمیم داری ؓ کو گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا۔

اور سنن سعید بن منصور بحوالہ (التعلیق الحسن: ۱/ ۳۹۲، اور الحاوی للفتاوی: ۱/ ۳۴۹) میں مذکور ہے کہ حضرت عمر فاروق ؓ کے زمانہ میں لوگ گیارہ رکعت تراویح ادا کرتے تھے۔

حضرت امام مالک ؒ کا فرمان ہے کہ "أخذ لنفسي في قيام رمضان هو الذي جمع عمر بن الخطاب عليه الناس إحدى عشرة ركعة وهي صلاة رسول الله ﷺ ولا أدرى من أحدث هذا الركوع الكثير" (الصلاۃ والتہجد ص ۲۸۷، للعلامۃ عبدالحق الاشبیلی، المصابیح فی صلاۃ التراویح ص ۴۲)

تراویح سے متعلق جو بات میں اپنے لیے اختیار کرتا ہوں، وہ گیارہ رکعت ہے، جس پر حضرت عمر فاروق ؓ نے لوگوں کو جمع کیا تھا اور یہی رسول اللہ ﷺ کی نماز تھی اور میں نہیں جانتا کہ کس نے یہ (گیارہ رکعت سے) زیادہ نماز ایجاد کی۔

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری (۸/ ۲۴۶) میں ہے کہ "وهو اختار مالك لنفسه، واختاره أبوبكر بن

العربي" یعنی امام مالک ؒ نے اپنے لیے گیارہ رکعت ہی پسند کی ہے اور ابوبکر بن العربی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، یہاں مذکور تمام روایات اور ان جیسی دسیوں روایات صحیحہ سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ تراویح اور تہجد کی نماز کی مسنون رکعات گیارہ ہی ہے۔

اور گیارہ رکعت والی حدیث عائشہ متواتر المعنی ہے اور یہ بات معنوی طور پر متعدد صحابہ سے بہت ساری سندوں کے ساتھ مروی ہے اور اسی کے مطابق حضرت عمر فاروق ؓ نے حضرت ابی بن کعب اور حضرت تمیم داری و دیگر ائمہ تراویح کو گیارہ رکعت مع الوتر پڑھانے کا حکم دیا تھا، اور اسی پر عہد فاروقی میں تمام صحابہ کا عمل رہا جس کے خلاف کسی نے کوئی نکیر نہیں کی، نہ صحابی نے اور غیر صحابی نے اور معمول نبوی کے مطابق حکم فاروقی پر کسی صحابی کو نکیر کی حاجت بھی نہیں تھی۔

بیس رکعت سے متعلق جتنی بھی روایتیں ہیں تمام کی تمام محقق محدثین کے نزدیک ضعیف اور نا قابل استدلال ہیں۔

اور وہ روایت جو مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے: "حدثنا وكيع عن مالك بن أنس عن يحيى بن سعيد أن عمر بن الخطاب أمر رجلا أن يصلي بهم عشرين ركعة" (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۱۶۵، ح:۷۶۸۱) یعنی امام وکیع نے خبر دی، انہوں نے امام مالک سے روایت کی انہوں نے یحییٰ بن سعید سے کہ حضرت عمر ؓ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھایا کرے۔

یہ روایت بھی محدثین کے نزدیک صحیح نہیں ہے، بلکہ منقطع السند ہے۔ اس لیے کہ امام مالک ؒ کے شیخ یحییٰ بن سعید انصاری مدنی جو اس اثر کے راوی ہیں، انہوں نے بھی حضرت عمر ؓ کا زمانہ نہیں پایا ہے۔ (تفصیل کے لیے تقریب التہذیب، تہذیب التہذیب، تذکرۃ الحفاظ، تہذیب الکمال وغیرہ ملاحظہ فرمائیں)

خلاصہ کلام یہ کہ جب حضرت عمر ؓ نے تراویح کی جماعت قائم کی تھی تو صحیح سند سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ امام کو گیارہ ہی رکعت پڑھانے کا حکم دیا تھا، اور جو روایتیں اس کے خلاف آئی ہیں وہ یا تو صحیح الاسناد نہیں ہیں یا ان میں اس امر کی تصریح نہیں ہے کہ حضرت عمر ؓ نے بیس رکعت پڑھنے اور پڑھانے کا حکم دیا تھا، جو اس کا دعوی کرے وہ دلیل دے اور میرا یقین ہے کہ وہ صحیح دلیل نہیں دے سکتے۔

الجواب صحیح
مولانا علی حسین سلفی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

ھذا ما عندی واللہ أعلم بالصواب
کتبہ: ابوعفان نور الہدی عین الحق سلفی مالدہی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

●●●